ابنِ صفی

جلد نمبر 27

جاسوسی دنیا

82- الٹی تصویر

83- چمکیلا غبار

84- انوکھی رہزنی

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 27

82	الٹی تصویر
83	چمکیلا غبار
84	انوکھی رہزنی

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر...........خالد سلطان
پرنٹر............یمانی پریس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز
الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 82

الٹی تصویر

(مکمل ناول)

پیشرس

"الٹی تصویر" حاضر ہے۔ کہانی آپ خود ہی پڑھ لیں گے اس لئے اس کے سلسلے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ البتہ کاغذ کے متعلق اتنی گذارش ضرور ہے کہ آپ فی الحال کاغذ کی اچھائی بُرائی دیکھنا چھوڑ دیجئے۔ اس بار اچھا کاغذ مل گیا حاضر ہے۔ آئندہ بھی اگر اچھا ہی ملا تو بخل سے ہرگز کام نہ لیا جائے گا۔ خدانخواستہ ہمارے یہاں نہ کاغذ کا قحط ہے اور نہ اس کی پیداوار ہی میں کمی ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ تر کاغذ اہم ترین قومی ضروریات پر صرف ہو رہا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم قناعت کریں۔

میں اپنے پڑھنے والوں کا بے حد مشکور ہوں کہ وہ مجھے میری خامیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اُن کے خطوط کے فرداً فرداً جوابات لکھنا پہلے بھی میرے بس سے باہر تھا اور اب بھی ہے۔ ویسے بعض خطوط کے جوابات اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ پیش لفظ میں کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے میرے ناول "خون کا دریا" کے

متعلق پوچھا ہے کہ وہ بھی اوریجنل ہے یا نہیں کیونکہ ویسی ہی ایک کہانی گجراتی میں بھی ان کی نظروں سے گذری ہے.... گذارش ہے کہ "خون کا دریا" کی کہانی سو فیصدی میری ہی تخلیق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی گجراتی لکھنے والے بھائی نے میری گردن پر چھری پھیر دی ہو۔ اردو میں جو چھریاں پھیری جارہی ہیں وہ تو آپ کی نظروں کے سامنے ہی ہیں۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ میری کتابوں کا ہندی میں ترجمہ ہوا، اور ہندی سے وہ پھر اردو میں منتقل ہوئیں لیکن اس تیسری جون میں مصنف کا نام تک ایک صاحب نے پوچھا ہے! "ربڑ کی عورت" میرے ناول "بے گناہ مجرم" کا ہندی ترجمہ ہے۔ کسی صاحب نے اردو میں اس کا دوبارہ ترجمہ کرڈالا۔ میرے ساتھ ایسے لطیفے ہوتے ہی رہتے ہیں اور میں ان سے کافی محظوظ ہوتا ہوں، دیکھئے نا میرے پُر اسرار کرداروں ہی کی طرح بعض اوقات یہ کم بخت کتابیں بھی بھیس بدل کر آکھڑی ہوتی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں شرلاک ہومز کی طرح کوکین کا انجکشن لے لوں یا عمران کی طرح چیونگم سے شغل فرماؤں۔

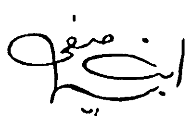

۲۱/مارچ ۱۹۵۹ء

انٹرویو

نعیم نے عمارت کے سامنے رک کر ایک بار پھر انٹرویو کارڈ پر نظر ڈالی اور عمارت کے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف دیکھا جس پر تحریر تھا۔ ”ڈاکٹر سعیدہ ایم۔اے ڈی۔لٹ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکسن۔“

اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسے یہیں پہنچنا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کہ اور بھی امیدوار ہوں گے۔ پھر اگر اسے ناکامی ہوئی تو کیا ہوگا۔ آج تین ماہ سے تو ملازمتوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اسے اس عام کہاوت پر یقین کر لینا پڑتا کہ ملازمتوں کے اشتہارات تو دراصل جگہیں پُر ہو جانے کے بعد دیئے جاتے ہیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے! انٹرویو محض ڈھکوسلا ہوتا ہے۔

وہ دل ہی دل میں وہی سب دُعائیں دہرانے لگا جن کے سہارے پہلے بھی کئی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔

پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ایک بار پھر اس نے نیم پلیٹ کو بغور پڑھا اور وہیں کھڑے کھڑے بیرونی برآمدے پر نظر ڈالی جس کا فاصلہ پھاٹک سے تقریباً ڈیڑھ سو گز ضرور رہا ہوگا۔

”اوہو....!“ اس نے سوچا۔ وہاں تو سناٹا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بلایا گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اس سے غلطی ہی ہوئی ہو۔ بھلا سنی سنائی باتوں کا کیا اعتبار.... مگر پھر یہ انٹرویو کارڈ کہاں سے آگیا۔ اس نے جو کچھ بھی سنا تھا صحیح سنا تھا اور عرضی بھی بھیجی تھی.... عرضی قابل اعتبار نہ ہوتی تو انٹرویو کارڈ کیسے آتا۔

بہر حال وہ مطمئن بھی تھا اور ذہن کے کسی گوشے میں بے اطمینانی بھی لہریں لے رہی تھی۔
اس الجھن کا باعث یہ تھا کہ یہ کوئی اشتہاری ملازمت نہیں تھی بلکہ اس کا علم اسے اتفاقاً ہی ہوا تھا۔ ایک دن ملازمت کی تلاش میں کئی گھنٹے جوتیاں چٹخانے کے بعد ایک چائے خانے میں جا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد قریب ہی کی ایک میز پر دو آدمی آبیٹھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بھئی ملازمت ہنسی کھیل تو ہے نہیں کہ گھر بیٹھے مل جائے گی، کچھ جدوجہد کرو۔ لوگوں کے پاس بیٹھو اٹھو! ملو ملاؤ، گھر پڑے رہنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے۔ ملازمت تھوڑا ہی تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہے، اچھا دیکھو.... ایلگن روڈ پر ایک ڈاکٹر سعیدہ ہیں.... نہیں پہلے تم یہ بتاؤ کہ اچھی اردو نثر لکھ سکتے ہو یا نہیں۔"

"کیوں نہیں....؟" دوسرے نے جواب دیا۔

"ادب سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ...." جواب ملا۔

"تب تو تم کام چلا لے جاؤ گے! خیر یہ ڈاکٹر سعیدہ اردو میں کچھ تحقیقی کام کر رہی ہیں اور انہیں ایک اچھی اردو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔ تم ایک عرضی روانہ کردو، ورنہ اگر کہیں انہوں نے کسی اخبار میں اشتہار دے دیا تو درجنوں پہنچ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" میں آج ہی عرضی روانہ کردوں گا۔ دوسرے نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان کا پتہ لکھوادو۔"

اس نے پتہ ڈکٹیٹ کیا۔ جسے نعیم ذہن نشین کرتا جارہا تھا.... تھوڑی دیر بعد اس نے بھی اپنی نوٹ بک میں وہی پتہ درج کرلیا اور اسی دن عرضی بھی روانہ کردی۔ طالب علمی کے زمانے مین اسے صحافت سے بھی لگاؤ رہ چکا تھا۔ اردو نثر نگاری پر اُسے قدرت حاصل تھی اور وہ خود کو صاحب طرز بھی سمجھتا تھا۔

تین دن بعد عرضی کے جواب میں اسے بذریعہ ڈاک ایک انٹرویو کارڈ ملا جس پر انٹرویو کی تاریخ درج تھی۔

اور آج وہی انٹرویو کارڈ اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ ڈیڑھ سو گز لمبی روش طے کر کے وہ برآمدے میں آیا۔ لیکن یہاں قطعی طور پر سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے عمارت کا ہر حصہ

ویران ہو۔

دفعتاً بائیں جانب نظر اٹھی۔ ایک کمرے کا دروزہ کھلا ہوا تھا۔ چوکھٹ کے اوپر ایک تختی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔

"براہِ کرم گھنٹی کا بٹن دبا کر اندر تشریف رکھئے اور پانچ منٹ انتظار کی زحمت گوارا فرمایئے۔"

گھنٹی کا سوئچ بائیں طرف دروازے کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ وہ بٹن دبا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ڈرائنگ روم ہی تھا۔ صاف ستھرا اور سادہ طور پر سجا ہوا۔ صوفہ سیٹ نفیس اور آرام دہ تھا۔

پورے کمرے میں صرف ایک ہی بڑی سی تصویر تھی، مگر دیوار پر الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ یعنی صاحب تصویر کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر۔

یہ کسی معمر لیکن وجیہہ آدمی کی تصویر تھی، مگر اس کا الٹا لٹکا ہونا نعیم کی سمجھ میں نہ آسکا۔ کیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا؟ لیکن فریم الٹ کیسے سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے جان بوجھ کر الٹا لٹکایا گیا ہو۔ مگر کیوں؟

کیا یہاں کوئی پاگل آدمی رہتا ہے۔ یا اتنا لاپرواہ ہے کہ ایک تصویر بھی سیدھی نہیں کر سکتا۔

تصویر نے اسے الجھن میں ڈال دیا اور انتظار کے پانچ منٹ اس طرح گذر گئے کہ انتظار کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

پھر ایک خوبصورت سی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے میک اپ پر بہت زیادہ سرخی اور پاؤڈر صرف کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری دلکشی میک اپ ہی کی رہین منت رہی ہو، ورنہ ہاتھ پیروں سے تو خاصی معمر معلوم ہوتی تھی۔

نعیم اسے دیکھ کر احتراماً اٹھ گیا لیکن وہ تو دروازے ہی میں رک کر اسے اس طرح دیکھنے لگی تھی جیسے کوئی عجوبہ اس کے سامنے آ گیا ہو۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" وہ یک بیک آگے بڑھ کر بولی۔ "یہ آپ کا ایک کان چھوٹا اور ایک بڑا کیوں ہے؟"

"جی....!" نعیم اس بے تکے سوال پر بوکھلا کر اپنے دونوں کان ٹٹولنے لگا۔ پھر جلدی سے ہاتھ نیچے گرا لئے۔ یہ بھی حماقت ہی تو تھی کہ وہ ایک بے تکی بات پر اپنے کان ٹٹولنے لگا تھا۔ پھر اسے اس سوال پر غصہ بھی آیا اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کان صرف سننے کے لئے ہوتے ہیں.... میں نے آج تک کسی کے کانوں کی ساخت پر غور نہیں کیا۔"

"آپ تو بڑے چڑچڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح لال پیلے ہو رہے ہیں۔" عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کچھ نہیں! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں...." نعیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ملازمت کی تلاش میں نکلا تھا، اس لئے اُسے ضبط و تحمل سے کام لینا چاہئے اس نے سوچا کہ اب وہ خود کو قابو میں رکھے گا۔ ویسے اگر ڈاکٹر سعیدہ یہی عورت ہے تو کسی حد تک زندگی ضرور تلخ کر دے گی۔

"ارے تو خاموش کیوں ہوگئے۔ میں آپ کے الفاظ واپس دیتی ہوں۔" اس نے اس طرح ہاتھ بڑھا کر مٹھی کھول دی جیسے اس کے الفاظ مٹھی ہی میں دبائے رہی ہو۔

نعیم نے بوکھلا کر اسے گھورا لیکن چہرے پر غیر سنجیدگی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ کسی پاگل ہی کے چکر میں آپھنسا ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں الٹی تصویر پر جم گئیں۔

پھر اس نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہائیں.... اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو...." اس نے حیرت سے کہا۔ "اوہ ٹھہرو! کیا یہی ترچھی نظر کہلاتی ہے؟"

"میں.... نن.... نہیں جانتا...." نعیم بہت زیادہ نروس ہو گیا۔

"آپ نہیں جانتے....؟" عورت نے حیرت سے کہا۔

"مجھے ڈاکٹر سعیدہ سے ملنا ہے محترمہ....!"

"تو پھر کیا میں ڈاکٹر چڑجی ہوں...." عورت نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

"اوہو.... میں ملازمت کے لئے حاضر ہوا تھا محترمہ....!"

"ٹھیک ہے! مگر آپ ترچھی نظر نہیں جانتے۔"

"خدا کی پناہ.... کیا چھوٹے بڑے کانوں ہی پر معاملہ رفع دفع نہیں ہو سکتا۔" نعیم نے لمبی سانس لے کر پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا چلو تھوڑی دیر کی تفریح ہی سہی۔ یقیناً یہ عورت سنک گئی ہے۔

"ہوں.... اوں! ٹھہریئے۔" نعیم اس طرح چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی شعر یاد رنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر جلد ہی شعر بھی اس کے ہونٹوں سے پھسلنے لگا۔

اے تیرِ نظر، تیر نظر دیکھ
یہ دل ہے یہ گردے یہ کلیجی یہ جگر دیکھ

"ہاں.... آں.... شعر ہی معلوم ہوتا ہے.... مطلب بتایئے۔"

"مطلب تو شاید میرے والد صاحب بھی نہ بتا سکیں..!" نعیم کی جھلاہٹ پھر بڑھنے لگی تھی۔

"تب پھر کیسے کام چلے گا۔"

"مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ کو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔" نعیم نے کہا۔

"اچھا تو کیا اشعار کا مطلب نظم میں بیان کیا جاتا ہے۔"

"اگر میں شاعر ہوتا تو میرے لئے یہ بھی کوئی مشکل بات نہ ہوتی۔"

"ہوں....؟" وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر پوچھا۔ "اردو کے جدید ترین ادباء میں سب سے ممتاز کون ہے۔"

"وہی جو سال بھر میں ساڑھے تین افسانے لکھ لیتا ہے۔ ڈیڑھ عدد غزلیں کہہ لیتا ہو اور ایک آدھ تنقیدی مضمون بھی لکھنے کی کوشش تو کرے۔ لیکن زندگی بھر کامیاب نہ ہو سکے۔"

"میں نام پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا ایسے کسی آدمی کا نام یاد رکھا جا سکتا ہے.... محترمہ....!"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے....!" عورت نے پوچھا۔

"آپ ڈی لٹ بھی ہیں اور پی ایچ ڈی بھی۔"

"میں اپنی ادبی خدمات کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آج تک آپ کی کوئی ادبی کاوش میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"اوہ.... آپ نے میری کتاب "ادب اور شتر مرغ" نہیں پڑھی! اس پر تو مجھے حکومت کی طرف سے انعام بھی ملا تھا۔"

"ادبی شتر مرغ تو بہت دیکھے ہیں میں نے لیکن ادب اور شتر مرغ....!"

"خیر....! اچھا بتایئے.... شتر گربہ کسے کہتے ہیں۔"

"ایسی بلی جو اونٹ کے برابر ہو....!"

"بکواس....!" عورت نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر شتر مرغ بھی بکواس ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی میں نے یہی سنا ہے کہ وہ اونٹ کی سی گردن رکھتا ہے اور اسی کی طرح قد آور ہوتا ہے۔"

"واہ کیا منطق ہے۔"

"غلط ہو تو گردن اڑا دیجئے....!" نعیم بولا۔ وہ بالکل تفریح کے موڈ میں آ گیا تھا۔ ملازمت گئی جہنم میں۔

"آپ سنجیدگی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اسی لئے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

"آپ نے پھر کانوں کی بات چھیڑ دی...." اس بار نعیم کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میں کسی ایسے آدمی پر اعتماد نہیں کر سکتی جس کے کان چھوٹے بڑے ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں....!"

اس کی نظر ایک بار پھر الٹی تصویر کی طرف اٹھ گئی، لیکن عورت اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ نظر آ رہی تھی جیسے وہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو، قطعی پاگل ہے۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

نعیم پر اگر اس کے خاندان کی ذمہ داریاں بھی ہوتیں تو شاید اسے خودکشی ہی کرنی پڑتی! آج جیب کا آخری پانچ کا نوٹ بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ لیکن آج کے انٹرویو نے اس کے ذہن پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ اسے تو چاہئے تھا کہ اس نامعقول عورت کو سر پیٹنے اور کتیوں کی طرح حلق پھاڑنے پر مجبور کر دیتا۔ ڈاکٹر سعیدہ ایم۔ اے ڈی لٹ پی۔ ایچ۔ ڈی؟ اتنا پڑھ لکھ جانے کے بعد بھی یہ عورتیں خود میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتیں.... مگر وہ تو پاگل تھی.... پھر وہ دونوں گدھے کون تھے؟ جن کی گفتگو سن کر وہ ملازمت کے لئے اپلائی کر بیٹھا تھا۔

وہ آئینے پر تیکھی نظریں جمائے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ اچانک ایک نیا خیال اس کے ذہن میں کلبلایا.... وہ اس کی مالی حالت بہتر بنا سکتی ہے۔ یقیناً مال دار ہو گی۔ اوہ ٹھیک ہے.... وہ اس سے عشق شروع کر دے.... اس کی عمر چالیس سال سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی اور خود اس نے تو اب چوبیسویں سال میں قدم رکھا ہے.... اگر وہ بالکل ہی پاگل نہیں ہے تو متحیر ضرور رہ جائے گی۔ اور پھر جب تحیر زدگی کا وقفہ ختم ہو گا تو.... پھر.... اوہ تجربہ تو کرنا ہی چاہئے۔

دوسرے دن خود بخود اس کے قدم اسی عمارت کی طرف اٹھ گئے۔

لیکن آج پھاٹک بند نظر آیا۔ جس میں بڑا سا قفل بھی لٹک رہا تھا۔

اسے اپنی اس حماقت پر جھنجھلاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ حماقت ہی تو تھی۔ خواہ مخواہ دوڑا آیا تھا۔ گویا جیب میں پڑی ہوئی ایک روپیہ گیارہ آنے کی رقم اتنی ہی تشفی بخش تھی کہ وہ تفریحی قسم کی عشق بازیوں کے لئے دوڑ تا رہتا.... مگر وہ تو.... مالی حالت مستحکم کرنے ہی کا معاملہ تھا۔

بہر حال وہ ہاتھ جھلاتا ہوا واپس ہو ہی رہا تھا کہ ایک آدمی جھپٹتا ہوا اس کی طرف آیا۔

"کہیے.... جناب....!" اس نے دانت نکالے.... یہ ایک پستہ قد اور کمزور جسم کا آدمی تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے اور پلکیں متورم سی معلوم ہوتیں تھیں۔

"کیوں....؟" نعیم نے نیچے سے اوپر تک اس کا جائزہ لیا۔

"آپ یہاں کھڑے تھے.... میں نے کہا شاید۔" وہ اپنا سر کھجانے لگا۔

"ہاں ہاں.... میں یہاں کھڑا تھا.... تو پھر....!"

"میں نے کل بھی آپ کو یہاں دیکھا تھا.... مطلب یہ کہ اس کی کنجی شاید آپ ہی کے پاس ہے۔ میں دراصل مکانوں کی دلالی کرتا ہوں۔"

"میرے پاس کیوں ہونے لگی اس کی کنجی۔" نعیم آنکھیں نکال کر بولا۔

"اوہ.... تو پھر آپ خرید رہے ہیں اسے۔ کل میں نے آپ کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔ سودا نہیں ہوا شاید کیوں؟"

"کیا ڈاکٹر سعیدہ اسے فروخت کرنے والی ہیں۔"

"ڈاکٹر سعیدہ....!" دلال نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کیوں....؟" نعیم اس کی حیرت پر خود بھی متحیر نظر آنے لگا تھا۔

"ارے.... ڈاکٹر سعیدہ کہاں؟ اسے مرے ہوئے تو ایک سال گذرا.... یہ بھی اس کے وارثوں کی سنک ہی ہے کہ اس کے نام کی تختی آج بھی پھاٹک پر لگا رکھی ہے۔"

"ڈاکٹر سعیدہ مر چکی ہے۔" نعیم نے حیرت سے دہرایا۔

"ایک سال پہلے کی بات ہے۔ موت پراسرار طور پر ہوئی تھی۔ بس کھڑے کھڑے گری تھی اور مر گئی تھی.... یہیں اسی عمارت میں۔ تب سے یہ عمارت خالی پڑی ہوئی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو یار... ابھی کل ہی تو میں نے ڈاکٹر سعیدہ سے گفتگو کی تھی۔" نعیم ہنس پڑا۔
اس آدمی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے دل ہی دل میں کوئی بڑی گندی سی گالی دی ہو۔
"کیوں مذاق کرتے ہو۔" اس نے بیزاری اور جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور ایک طرف مڑ گیا۔
"ذرا سنئے تو سہی مسٹر۔" نعیم نے اسے روکا۔
"ہوں...." وہ رک کر مڑا مگر بیزاری سے ہونٹ سکوڑے ہوئے تھا۔
"یقین کرو! ڈاکٹر سعیدہ نے مجھے خط لکھ کر بلایا تھا۔ ملی تھی تم نے تو کل مجھے یہاں دیکھا ہی تھا"
"کیا کہہ رہے ہو دوست....!" اجنبی بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا، جس میں شاید خوف کی بھی ہلکی سی آمیزش تھی۔
"اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو تحقیقاتی کاموں میں مدد دے سکے۔"
"میرے خدا....!" اجنبی حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ پھر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔
"پچھلے سال اس نے اسی طرح ایک آدمی کو بلایا تھا، غالباً ملازمت کے لئے اور اسی کے سامنے مر گئی تھی۔ اوہ مجھے دیر ہو رہی ہے.... معاف کیجئے گا۔"
وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لاش اور تصویر

کرنل فریدی اپنے آفس میں ایک فائل پر جھکا ہوا پنسل سے نشانات لگا رہا تھا، اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔
"ہیلو.... یس فریدی اسپیکنگ! اوہ آپ ہیں.... آداب.... ارے کب.... ہاں ہاں میں سر وحید کو جانتا ہوں.... آپ وہیں ہیں! .... کیا فرمایا.... ارے.... آخر یہ کیوں؟.... اوہ.... سوراخ.... ہوں.... عجیب بات ہے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا.... حمید اپنی ڈیسک پر بیٹھا کسی کے سلسلے میں آئے ہوئے فنگر پرنٹس ترتیب دے رہا تھا۔
فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"تم نے سر پیٹنے کی عادت ترک کر دی ہے شاید۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"کوئی کیس؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے.... کیس اور ایسا ہی کہ شاید موجودہ ذہنی جمود رفع ہو جائے۔"

"یا خدا ادھر کے جسمانی جمود کی خیر ہو...." حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ "سر وحید کا کیا قصہ ہے۔ کیا اس کی بلیوں کو صبح سے چھینکیں آ رہی ہیں۔ میں شاید اس آدمی کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو؟"

"پہلے آپ بتائیے کیا بات ہے!"

"سر وحید مر گیا۔"

"گفتگو کے انداز ہی سے مترشح ہو رہا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور وہ شریفوں کی طرح ہر گز نہ مرا ہوگا! ورنہ ہمیں کیوں اطلاع ملتی۔"

"ابھی تمہیں اس پر اور زیادہ غصہ آئے گا۔" فریدی مسکرایا۔ "کیونکہ وہ صحیح الدماغ آدمیوں کی طرح بھی نہیں مرا.... ڈی۔ آئی۔ جی صاحب تھے فون پر۔ وہ وہیں ہیں۔"

"مگر یہ مرنے کا کون سا وقت ہے۔" حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "سوا چار بج رہے ہیں اسے چائے کا وقت کہتے ہیں۔"

"اٹھو....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں کہتا ہوں تشریف رکھئے۔" حمید نے ڈیسک پر ہاتھ مار کر کہا۔ "یہیں کچھ زہر مار کر لیں۔"

پھر اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا....

"تم زہر مار کرتے رہو۔" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "لیکن ٹھیک پونے پانچ بجے وحید مینشن پہنچ جانا۔"

ادھر وہ آفس سے نکلا اور ادھر حمید نے چپراسی کو طلب کر کے کینٹین سے چائے منگوائی۔

وہ سر وحید کے متعلق سوچ رہا تھا۔

چائے اس لئے منگوائی تھی کہ فریدی کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ کر رات کا کھانا بھی گول ہو سکتا تھا اور سر وحید کے متعلق سوچنا اس لئے ضروری تھا کہ ابھی حال ہی میں اس سے ہائی سرکل نائٹ کلب میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

تعارف ایک ایسے آدمی نے کرایا تھا، جو دونوں کا مشترکہ دوست تھا۔ اس نے سر وحید کو بتایا تھا کہ کیپٹن حمید کو بکروں سے عشق ہے۔

"آہا.... بہت اچھے۔" سر وحید نے اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحہ کیا تھا۔ اس پچھتر سالہ بوڑھے کی آنکھوں میں حمید کو ایسی ہی شوخیاں نظر آئی تھیں جیسی شریر بچوں کی آنکھوں سے جھلکتی ہیں اور پھر وہ بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں بکروں کے متعلق گفتگو کرنے لگا تھا اور حمید نے سوچا تھا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا اسے گھس رہا ہے۔

کسی بات پر اس نے چڑ کر حمید پر زبان بھی نکالی تھی۔ پھر لڑکیوں کی گفتگو شروع ہو گئی تھی اور حمید کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے.... کیونکہ گفتگو کا ماحصل یہی تھا کہ لڑکیاں اب بھی اس پر عاشق ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک نہیں کئی ایسے واقعات بتائے تھے کہ حمید کو اپنی جوانی دو کوڑی کی معلوم ہونے لگی تھی۔

پھر وہ اس کی میز سے اٹھ گیا تھا اور تعارف کرانے والے نے حمید کو اس کے متعلق حیرت انگیز قسم کی باتیں بتائی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک تو یہی کہ وہ روزانہ ٹھیک تین بجے سر کے بل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا خواہ اس وقت وہ اجنبیوں کے درمیان ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین اور چار کے درمیان کبھی گھر سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

بہر حال حمید نے اس کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ اس کا ایک آدھ اسکریو ضرور ڈھیلا ہے۔

اور اب اس وقت فریدی نے اس کی موت کی خبر سنائی.... گو وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا، لیکن موت کی اطلاع کا اس کے محکمے تک پہنچنا ہی اس پر دلالت کرتا تھا کہ موت غیر معمولی حالات میں ہوئی ہے۔

اس نے جلدی جلدی دو تین پیالیاں حلق سے اتاریں اور چائے ختم کر کے اٹھ گیا۔

وحید مینشن ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ شہر میں مشہور بھی تھی.... اور سر وحید کا شمار بڑے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خود عملی طور پر کاروبار سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے بیٹے پوتے ہی بزنس میں ہیں۔

لوگوں کو اس کی زندگی سے دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اس وقت کیپٹن حمید نے وحید مینشن کے قریب ایک جم غفیر دیکھا۔ جس میں خال خال سرخ ٹوپیاں بھی نظر آ رہی تھیں.... ایک کانسٹیبل اس کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔

بالآخر وہ فریدی تک پہنچ ہی گیا.... واردات وحید مینشن کی تیسری چھت پر ہوئی تھی جس کے گرد صرف سات فٹ اونچی چہار دیواری تھی۔ بس اسے کھلی چھت ہی کہنا چاہئے۔

یوں تو اس وقت وحید مینشن میں کئی آفیسر موجود تھے۔ لیکن تیسری چھت پر فریدی اور محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔

لاش اب بھی وہیں موجود تھی اور اُسے ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔

حمید ڈی۔ آئی۔ جی کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ ”دیواریں سات فٹ اونچی ہیں اور مرنے والے کا قد پانچ فٹ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہے۔“

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”گھر والوں کا بیان ہے کہ چھت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”حادثے کی اطلاع انہیں کیسے ہوئی تھی۔“

”اس کی چیخ سن کر.... اس کی بڑی لڑکی اوپر آئی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ساکت ہو چکا تھا۔“

”لاش کو کسی نے اصل جگہ سے ہٹایا تو نہیں۔“

”نہیں اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔“

”تب پھر لاش کی پوزیشن یہی بتاتی ہے کہ وہ دیوار پر نہ چڑھا ہو گا۔ ایسی صورت میں تو لاش کو دیوار سے کئی گز کے فاصلے پر ہونا چاہئے تھا۔“

حمید نے لاش کا پھر سے جائزہ لیا۔ اس کا سر دیوار ہی کی طرف تھا اور وہ دیوار سے زاویہ قائمہ

بنا رہی تھی۔ سر اور دیوار کا فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔

دفعتاً فریدی نے مڑ کر کہا۔ "فنگر پرنٹ والوں کو بلالو۔"

حمید انہیں دوسری منزل پر دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اس لئے تلاش کرنے میں دیر نہیں لگی....!

لیکن خلاف توقع فریدی نے جلد ہی کام ختم کرادیا۔ نہ تو وہاں اس نے کسی مسئلے پر کسی سے بحث کی تھی اور نہ معاملہ کو طول دیا تھا۔ حتیٰ کہ حمید اس کی گفتگو سے حادثے کی نوعیت کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔

اور واپسی پر بھی فریدی خاموش ہی رہا۔ حمید نے چاہا کہ اس حادثے کے متعلق گفتگو چھیڑے، لیکن فریدی نے سر ہلا کر اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

❁

نعیم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور نظر اخبار کے پہلے ہی صفحے پر چھپی ہوئی تصویر پر تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں ملیں اور پھر تصویر کو گھورنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں پر دھند سی چھا رہی تھی۔

یہ تصویر وہی تو تھی جسے اس نے تین دن پہلے ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی میں الٹی لٹکی ہوئی دیکھا تھا اور اب اسے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا؟ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار سر وحید جس کی کئی فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملیں ملک کے مختلف حصوں میں قائم تھیں۔

خبر کے مطابق وہ پچھلی شام اپنی چھت پر سر کے بل کھڑا ہوا تھا کہ اچانک اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا جس سے خون ابل رہا تھا۔ پھر اسکی چیخ سن کر اوپر پہنچنے والوں نے اسے مردہ ہی پایا تھا۔

مگر وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا؟ نعیم خبر ادھوری ہی چھوڑ کر سوچنے لگا۔ تصویر الٹی لٹکی ہوئی تھی.... اور وہ سر کے بل کھڑا ہوا تھا.... مگر کیوں؟

خبر میں آگے کہا گیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے اس کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی نکالی ہے.... اوہ.... قتل؟.... مگر سر کے بل کھڑا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اکتا کر اس واقعہ کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا.... ہوگا کچھ؟ اسے فلیٹ کے کرائے کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

تین ماہ سے چڑھے ہوئے کرائے کا خیال آتے ہی پٹھان چوکیدار کا خونخوار چہرہ بھی آنکھوں میں پھر گیا۔

اس ماہ اس نے سات دن کی مہلت دیتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر تین ماہ کا کرایہ مدت گذرنے کے بعد نہ ملا تو وہ اس کا سامان نکال کر سڑک پر پھینک دے گا۔ مدت ختم ہونے میں تین دن اور رہ گئے تھے۔ اگر ان تین دنوں میں اسے کہیں ملازمت مل بھی جاتی تو تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا انتظام کہاں سے ہو سکتا تھا۔

تو پھر کیا کرے۔ اس بدتمیز آدمی کا پیٹ پھاڑ دے، جو کرایہ وصول کرنے کے سلسلے میں دھمکیاں دیتے وقت اس کی سفید پوشی کا بھی خیال نہیں رکھتا۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن پھر ڈاکٹر سعیدہ، الٹی تصویر اور سر وحید کی طرف بھٹک گیا۔ آخر وہ کیا چکر تھا؟

اس نے ڈاکٹر سعیدہ کے ورثاء کا پتہ لگانے کی کوشش کی اور اس دوران میں اس اجنبی کے بیان کی تصدیق بھی ہو گئی تھی جس سے کوٹھی کے قریب گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ڈاکٹر سعیدہ کی موت حیرت انگیز طور پر ہوئی تھی۔ نعیم ہی کی طرح پچھلے سال بھی کسی ضرورت مند نے کہیں ڈاکٹر سعیدہ کی ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی اور اسی کوٹھی میں انٹرویو کے لئے اسے طلب کیا گیا تھا.... اور ڈاکٹر سعیدہ اس سے گفتگو کرتے وقت ختم ہو گئی تھی۔

پھر کیا.... پھر کیا.... وہ ڈاکٹر سعیدہ کی روح تھی؟

وہ روحوں کا قائل تھا نہیں۔

بھوت پریت کی کہانیاں اسے مضحکہ خیز معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن پھر یہ سب کیا تھا....؟

کچھ دیر بعد الجھن اتنی بڑھی کہ اس نے لباس تبدیل کیا اور ایک بار پھر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس کی رفتار سست پڑنے لگی۔ آخر وہاں کیا ملے گا؟ اس نے سوچا! وہاں کیوں جا رہا ہے.... لیکن دوبارہ وہاں جانے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا تھا؟ کیا یہ بھی حماقت ہی نہیں

تھی؟اخبار میں وہ تصویر دیکھ لینے کے بعد، جو اس عمارت میں الٹی لٹکی نظر آئی تھی ادھر کا رخ کرنا دانش مندی تو نہیں....!

ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت بن جانے سے کسی کو دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن اس سرمایہ دار کی موت میں تو پولیس بھی دلچسپی لے رہی ہے۔ پتہ نہیں آئندہ حالات کا رخ کیا ہو۔ اگر کسی طرح وہ اس معاملے میں ملوث ہو گیا تو کیا ہوگا۔

دفعتاً وہ غیر ارادی طور پر ایک گلی میں مڑ گیا....

"او میاں.... او بھائی صاحب ذرا ٹھہریئے گا...." کسی نے آواز دی۔ ضرور نہیں تھا کہ آواز اسے ہی دی گئی ہو.... لیکن وہ رک کر مڑا تھا۔

اور پھر اسے وہی آدمی نظر آیا جس سے اس کوٹھی کے قریب ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ نعیم بوکھلاہٹ میں اس کے ساتھی کا تفصیلی جائزہ نہ لے سکا۔

"اوہ.... بڑے بھائی...." مکانوں کا دلال ہانپتا ہوا بولا۔ "ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔"

نعیم کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ حالانکہ پچھلے دن اس نے اس سے الٹی تصویر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"کیوں....؟" نعیم جی کڑا کر کے اسے گھورنے لگا۔

"خفا کیوں ہوتے ہیں جناب! کیا میں نے کوئی گستاخی کی ہے۔"

"میں سڑکوں پر اس طرح پکارا جانا پسند نہیں کرتا۔" نعیم کا لہجہ غصیلا تھا

"معاف کیجئے گا جناب۔" دلال کے ساتھی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا "واقعی یہ بڑی بدتمیزی ہے کہ کسی شریف آدمی کو اس طرح گلی کوچوں میں آواز دی جائے.... لیکن مجبوری۔"

اب نعیم نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک بھاری بھرکم اور شاندار آدمی تھا۔ قیمتی لباس اور انگلیوں میں پڑی ہوئی انگشتریوں سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی خوشحال آدمی ہے۔

نعیم نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں نہیں سمجھا؟"

"میں آپ کے قدموں پر سجدہ کرنا چاہتا ہوں...." بھاری بھرکم آدمی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اگر ان کا بیان صحیح تھا" اس کا اشارہ مکانوں کے دلال کی طرف تھا۔

"کیا مطلب....!"

نعیم اور زیادہ بوکھلا گیا۔

"یہاں نہیں! کیا ہم بیٹھ نہیں سکتے۔" شاندار آدمی بولا۔

"ارے ہاں.... آیئے آیئے جناب۔ نارویز میں بیٹھیں گے۔" دلال جلدی سے بولا۔

وہ گلی سے پھر سڑک پر آگئے۔

نعیم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا شروع ہونے والا ہے۔ اس نے اس کے قدموں پر سجدہ کرنے کی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔

نارویز ایک اوسط درجے کا ریستوران تھا.... دلال نے ایک میز منتخب کی، جس کے قریب کی میزیں خالی پڑی تھیں۔ وہ بیٹھ گئے۔

نعیم نے کہا۔ "آپ لوگ مجھے الجھن میں کیوں مبتلا کر رہے ہیں۔"

"اچھا تو میں اب چلوں جناب۔" دلال یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں! بیٹھو بیٹھو۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

مگر دلال نے کچھ ایسے عذر پیش کئے کہ ساتھی زیادہ زور نہ دے سکا۔ اس کے چلے جانے پر اس نے نعیم سے کہا۔

"آپ نے میری سعیدہ کو دیکھا ہے؟"

"آپ کی سعیدہ....؟" نعیم نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

"ہاں میری سعیدہ....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

نعیم نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لرزش دیکھی....اور متحیر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے پوچھا۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کو اس کوٹھی میں انٹرویو کے لئے طلب کیا گیا تھا۔"

"جی ہاں....!"

"آپ کو معلوم کیسے ہوا تھا کہ ڈاکٹر سعیدہ کو کسی آدمی کی ضرورت ہے۔"

"کسی چائے خانے میں دو آدمیوں کے درمیان گفتگو سن کر۔"

"اوہ.... بالکل وہی.... بالکل وہی۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کی روح بے چین ہے.... اس کی روح بے چین ہے۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔"

اس آدمی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا.... نعیم کی الجھن اور بڑھ گئی۔

دفعتاً اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ایک مجبور آدمی کا مضحکہ اڑانا اچھی بات تو نہیں مسٹر۔ پہلے مجھے اس عمارت میں بلا کر بے وقوف بنایا گیا، اب آپ پتہ نہیں کس مقصد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"مجھے معاف کردو میرے دوست.... میں بھی ایک مجبور آدمی ہوں۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایک بدنصیب آدمی۔ یہ رہا میرا کارڈ....!"

"پرنس ایچ توقیر سی۔ بی۔ ای۔"

"کیا....؟" نعیم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا.... یہ تو بہت مشہور آدمی تھا۔ پولو کا نامور کھلاڑی اور شہر کا ایک بڑا دولت مند۔

"بیٹھو دوست....!" میں تمہیں دوست کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میری سعیدہ کی روح نے تمہیں منتخب کیا تھا۔

نعیم بیٹھ گیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا.... "آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم.... وہ عمارت خرید لو۔"

نعیم ہکا بکا رہ گیا۔

وہ اس عمارت کو خرید لے....!

اس کا دل چاہا کہ وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگائے۔

دولت مند چوکیدار

کرنل فریدی کے سامنے جائے واردات کی تصویریں بکھری ہوئی تھیں اور حمید دور بیٹھا اس انداز میں پائپ کے کش لے رہا تھا۔ جیسے بالکل ہی فارغ البال ہو کر بیٹھا ہو۔

"سنو....!" دفعتاً فریدی سر اٹھائے بغیر بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" حمید کسی ضدی بچے کی طرح سر ہلا کر بولا۔

"میں ایسے گدھوں کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتا جنہیں شریفوں کی طرح مرنا بھی نہ آتا ہو۔ میں کہتا ہوں سر کے بل کھڑے ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"تمہیں چین سے بیٹھے نہیں دیکھنا چاہتے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں پاگل تھا۔"

"لیکن کسی پاگل کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی کا نکلنا پاگل پن نہیں ہو سکتا جب کہ خودکشی بھی نہ ثابت کی جا سکی ہو۔"

"اس کی کھوپڑی نیچے تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اور دیواریں سات فٹ اونچی ہیں پھر گولی کہاں سے آئی تھی۔ کسی نے فائر کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔"

"اور دیواروں میں بھی کہیں کوئی سوراخ نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"تو اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔"

فریدی پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

"یا خدا اگر وہ کوئی غیبی گولی رہی ہو تو.... تو ہی بتا دے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"پھر کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وحید مینشن کی پشت پر ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے، جس کا کچھ حصہ استعمال کے قابل ہے اسی قابل استعمال حصے میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے۔"

"اور وہ بوڑھا آدمی سر وحید کا قاتل ہو سکتا ہے۔" حمید بول پڑا۔

"پھر بکواس کی۔" فریدی جھنجلا گیا۔ "اس بوڑھے آدمی سے جان پہچان پیدا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ تم ایئر گن لے کر اس کے بے ترتیب باغ میں شکار کھیلنا شروع کر دو۔"

"لیکن اس سے جان پہچان پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... وہ ہے کون؟"

"ایک جھکی! ریٹائرڈ ماہر آثار قدیمہ.... کسی زمانے میں شعبہ آثار قدیمہ کا ایک آفیسر تھا۔"

"اور اب خود بھی دیکھنے کی چیز بن کر رہ گیا ہو گا۔" حمید نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے کہا اور پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک کاغذ پر ہندسے بھی

لکھ کر کاٹتا جارہا تھا۔

"ایک بات اور.... " حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اس سے کسی مسئلہ پر شریفوں کی طرح گفتگو نہیں کی جاسکتی کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھکی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے کسی طرح دوستی پیدا کرو۔ ایسی دوستی کہ تمہارے وقت کا کچھ حصہ اس کے ساتھ بھی گذرنے لگے۔"

"بھئی بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ مجھے چڑیا گھر کے کسی ایسے کٹہرے میں بند کرادیں، جہاں آس پاس دو چار سال خوردہ بندر بھی ہوں.... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر آپ براہِ راست تفتیش کرنے کی بجائے آڑے ترچھے راستے کیوں اختیار کرتے ہیں۔"

"وقتی ضرورت.... " فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "دفع ہو جاؤ.... " پھر دفعتاً مسکرا کر بولا۔ "تمہیں افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن ٹھہرو! مقصد بوڑھے کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا۔ اور ہاں.... وہ خود کو ایک کہنہ مشق شاعر بھی سمجھتا ہے۔"

"مرا بے موت....!" حمید کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "حالات ہی ایسے ہیں کہ مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا.... براہِ راست پوچھ گچھ سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکتا۔ اس پر یقین رکھو کہ گولی اسی ٹوٹی پھوٹی عمارت کی طرف سے آئی تھی۔"

"کیسے ممکن ہے.... کیا دیوار توڑ کر آئی ہوگی.... آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کہیں ایسے نشانات نہیں ملے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ دیوار پر چڑھا ہوگا۔"

"ہوں.... اچھا یہی بتادو کہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا کرتا تھا۔"

"پیروں کے بل کھڑے ہونے سے سر میں درد ہو جایا کرتا تھا۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آخر آپ اس کے اس پاگل پن کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ کیا سر کے بل کھڑے ہونے سے کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہوگا۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں کیوں سوچ رہے ہیں! میں کہتا ہوں کسی نے اس کے پاگل پن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے خاندان ہی کے کسی فرد نے ایسا کیا ہو۔ اسے اس وقت گولی

ماردی ہو، جب وہ عادت کے مطابق سر کے بل کھڑا ہونے تیسری چھت پر گیا ہو۔ نشانات مٹادیئے ہوں.... اور....؟"

"تیسری چھت کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی۔"

"قفل کی دوسری کنجی بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی پہلے ہی سے وہاں چھپا رہا ہوگا۔"

"اس کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ایک وہ جو وہاں پہلے جاکر چھپ جائے اور دوسرا، جو اس کے وہاں پہنچ جانے پر دوبارہ دروازہ مقفل کردے۔"

"چلئے دو ہی سہی....!"

"اور.... وہ گھر ہی کے لوگ ہوسکتے ہیں۔"

"ہونے دیجئے.... اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔"

"ہوں! لیکن میں فی الحال صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سر وحید کو اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے کیوں اتنی دلچسپی تھی۔"

"اوہ.... تو آپ کو اس کے اس طرح مرجانے کی پرواہ نہیں ہے۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو.... جہاں وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا وہیں دیوار میں ایک سوراخ بھی موجود ہے۔"

"مجھے تو نہیں نظر آیا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھو! نظر نہ آئے تو مجھے گولی مار دینا۔" فریدی نے کہا۔

"میں سچ مچ کھڑا ہو جاؤں گا...." حمید نے دھمکی دی۔

"وہ ایک مخصوص جگہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا، اور دیوار کا سوراخ اس کی آنکھوں سے صرف چھ انچ کے فاصلے پر ہوتا تھا۔"

"میں کہتا ہوں مجھے کہیں بھی کوئی سوراخ نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"اگر تم اسی جگہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ، جہاں وہ کھڑا ہوتا تھا تو سوراخ ضرور نظر آئے گا۔"

"اوہ...." حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "کوئی میکنزم....!"

"خیر.... عقل تو آئی! دیر ہی سے سہی۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔

"ہاں میکنزم! اس جگہ دباؤ پڑنے سے دیوار میں چھت کی سطح سے ایک تین انچ اونچی اور چار انچ چوڑی خلاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اب کہو۔ وہ سر کے بل کھڑا ہونا بے مقصد تو نہیں ہو سکتا۔"

"اب تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ یعنی کہ وہ پچھلے دس سال سے وہاں بلاناغہ سر کے بل کھڑا ہوتا آیا تھا۔"

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"فی الحال اس چکر میں نہ پڑو....!"

"اچھا تو وہ ماہر آثارِ قدیمہ....!"

"اس کا نام نصرت ہے.... سر وحید کے قتل سے ایک دن پہلے اس نے ہمارے محکمے کو مطلع کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"یعنی نصرت کی زندگی....!"

"ہاں....!"

"آخر کس بناء پر اسے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔"

"کچھ نامعلوم آدمی اکثر خواہ مخواہ اس سے جھگڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ دراصل اسے قتل کر دینے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"کہیں وہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے نہ سمجھ لے.... ظاہر ہے کہ میں اس کے باغ میں ایئر گن چلاؤں گا، اس کی اجازت حاصل کئے بغیر۔"

"یہی تو معلوم کرنا ہے کہ اس کی اس شکائت میں کہاں تک صداقت ہے جب کہ اس کی بجائے سر وحید قتل کر دیا گیا۔"

"مگر فائر کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔"

"فائر نصرت کی عمارت ہی سے کیا جا سکا ہو گا اور اس کے لئے ایک مخصوص جگہ استعمال کی گئی ہو گی! ورنہ اس چھوٹے سے سوراخ سے گولی کا گذر کر ٹھیک پیشانی پر بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ فائر کی آواز ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رائفل سے سائیلنسر اٹیچ رہا ہو۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلاتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں.... وہ.... عمارت خرید لوں۔"

نعیم آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر ہنس پڑا۔ ہنستا رہا اور بولا۔ "آپ جانتے ہیں جناب! میں وہاں ملازمت کے لئے گیا تھا۔"

"تو اس سے کیا....؟"

"اگر میں اس عمارت کو خریدنے کی حیثیت رکھتا....!"

"اوہ تم غلط سمجھے دوست.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں! یہ ایک لمبی کہانی ہے.... سعیدہ کی روح بے چین ہے۔ میں اُسے کیسے سکون بخشوں.... میرے خدا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر طویل سانس لے کر بولا۔

"سعیدہ کے ورثاء وہ عمارت میرے ہاتھ کبھی فروخت نہ کریں گے۔ وہ مجھ سے خار کھاتے ہیں۔ میرا نام درمیان میں آتے ہی بھڑک اٹھیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہارے نام سے خریدا جائے.... تم ہی سودا کرو۔"

"آپ میری بجائے کسی دوسرے سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں۔"

"اوہ.... مگر پھر سعیدہ کی روح نے تمہیں ہی کیوں منتخب کیا تھا۔ ارے حالات میں کتنی مشابہت ہے.... اس آدمی نے بھی یہی بتایا تھا کہ کسی چائے خانے ہی میں اس نے بھی اس ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی۔ میری مراد اس آدمی سے ہے، جس کی موجودگی میں سعیدہ کا ہارٹ فیل ہوا تھا۔ سنو دوست سعیدہ بھی مجھے بے حد چاہتی تھی.... ایک بڑی جائیداد کی تنہا مالک تھی اس لئے اس کے اعزّہ نے چاہا کہ وہ خاندان ہی میں شادی کرے، لیکن سعیدہ کو اس پر آمادہ نہ کر سکے! وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی.... پھر شادی سے ایک ہفتہ پہلے مجھے بدنصیبی نے آواز دی.... ایک ہفتہ پہلے۔" اس کی آواز بھرا گئی، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

نعیم خاموش بیٹھا رہا۔

کنور توقیر نے نہ تو چہرے سے ہاتھ ہی ہٹایا اور نہ کچھ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسی حالت میں سو گیا ہو۔

کچھ دیر بعد نعیم خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔ شاید اس طرح وہ اسے متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

کھانسی کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ کنور نے چونک کر اسی طرح آنکھیں ملیں جیسے سچ مچ سو تا رہا ہو۔

"اوہ.... معاف کرنا....!" اس کے ہونٹوں پر شرمندہ سی مسکراہٹ تھی۔ "میں اسی طرح بھول جاتا ہوں۔ اسی طرح خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔ کتنی اذیتوں میں مبتلا ہوں۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے...." نعیم نے اس کا ادھورا جملہ یاد دلایا۔

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ مر گئی! اور میں آج بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ اس کی موت قدرتی تھی۔ کیا ڈاکٹروں کو رشوت دے کر اسے ہارٹ فیلیور کا کیس نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں کبھی نہ تسلیم کروں گا۔ آہ پھر کیا بتاؤں کہ اس وقت سے میرے دن اور رات کیسے گذر رہے ہیں۔ میں خود بھی کوئی مفلس آدمی نہیں ہوں کہ مجھے سعیدہ کی جائیداد کی خواہش ہوتی۔ اس کی جائیداد میری دولت کا پچاسواں حصہ بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے خاندان والے۔" وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر سعیدہ کے اعزہ وہ عمارت فروخت ہی کر دیں۔"

"تیار ہیں بیچنے پر مگر.... میرے ہاتھ نہیں فروخت کریں گے۔ سعیدہ کے سوتیلے چچا کو اس کا ترکہ پہنچا ہے.... وہی مالک ہے۔ اس عمارت کے تیس ہزار تک دام لگ چکے ہیں۔ لیکن وہ چالیس مانگ رہا ہے.... میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پورے چالیس ہزار ادا کر کے ملکیت کے کاغذات پر اپنا نام چڑھوا لو۔"

نعیم سوچ میں پڑ گیا کہ صبح تک اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکال پھینکا جائے گا، لیکن اس وقت چالیس ہزار کی عمارت کے سودے کی بات ہو رہی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا مجھے.... وہاں رہنا بھی پڑے گا۔" اس نے پوچھا۔

"ملکیت ہی تمہاری ہو گی۔" پرنس توقیر مسکرایا۔

"مگر آپ کو اس سے کیا فائدہ....!"

"جب چاہوں گا اس کے درودیوار سے لپٹ کر رو سکوں گا۔" توقیر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

نعیم کا دل چاہا کہ بے تحاشہ ہنس پڑے، لیکن اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا۔ ویسے یہ سودا بُرا نہیں تھا مگر فلیٹ کا کرایہ ادا کئے بغیر جان کیسے بچتی۔ وہ اپنا سامان وہاں

سے کیسے لا سکتا.... اپنی بہتیری چیزیں اُسے بے حد عزیز تھیں۔

"خیر تو پھر.... مجھے وہاں چوکیدار کی حیثیت سے رہنا پڑے گا۔" نعیم نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"اوہ.... چوکیدار' کیوں؟"

"آپ وہ عمارت میرے نام سے خریدیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا مالک تو ہو نہیں جاؤں گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو میں اس عمارت میں مالک کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"بلاشبہ....!"

"اور کلرکی کروں گا.... کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔" نعیم مسکرایا۔

"قطعی مضحکہ خیز بات ہے.... مگر تم کلرکی کیوں کرو گے؟"

"پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نہ میں کوئی پرنس ہوں اور نہ ساہو کار۔"

پرنس توقیر کچھ سوچنے لگا۔ پھر مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے تم چوکیدار کی حیثیت سے رہنا لیکن تمہاری تنخواہ کم از کم ایک ہزار روپے ماہانہ ہوگی تاکہ تم کسی باحیثیت چوکیدار کی طرح زندگی بسر کر سکو۔"

نعیم کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر کیوں؟

اس نے سوچا کیا صرف اتنی سی بات کیلئے کہ وہ اس کی آنجہانی قسم کی محبوبہ کا مکان تھا اتنی ذرا سی بات کے لئے چالیس ہزار یک مشت اور ہزار روپے ماہانہ.... وہ لیلیٰ مجنوں کے دور کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے بیسویں صدی میں جنم لیا تھا اس لئے اس قسم کا عشق اس کے حلق سے نہ اتر سکا۔

دفعتاً اسے اس عورت کی گفتگو یاد آ گئی اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر سعیدہ زندگی میں بھی بہکی بہکی باتیں کرتی تھیں....؟"

"کیوں میں نہیں سمجھا....!"

"مجھ سے انٹرویو میں سب سے پہلے پوچھا گیا تھا کہ میرے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

پرنس توقیر ہنس پڑا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ بالکل وہی۔" اس نے کہا۔ "وہ بڑی ستم ظریف تھی۔ بے حد! ارے ہر

ایک کو انگلیوں پر نچاتی تھی.... مگر کیا مر جانے کے بعد آدمی کی روح پر جسمانی زندگی کی پرچھائیاں پڑتی رہتی ہیں۔"

پوچھنے کا انداز بالکل بچکانہ تھا۔ جیسے کسی ننھے سے بچے نے اپنے دادا جان سے سوال کیا ہو۔

نعیم کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ اسی عورت کے متعلق سوچے جارہا تھا تو کیا وہ سچ مچ کوئی روح تھی.... روح؟ کیسے یقین کرلیا جائے.... اوہ.... وہ الٹی تصویر.... اس کا دل چاہا کہ وہ پرنس سے اس کا بھی تذکرہ کرے.... لیکن پھر ہمت نہ پڑی۔ کیونکہ پولیس کسی قاتل کی تلاش میں تھی اور پولیس کی "تلاش" اسی طرح کامیاب ہوتی ہے کہ وہ متعلقہ یا مشتبہ آدمیوں کی پرچھائیوں پر بھی نظر رکھے۔

"ہاں تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ تیار ہیں۔"

"ب.... بالکل.... مم.... مگر.... یعنی کہ....!"

"فی الحال یہ تین سو رکھئے۔" پرنس نے دس دس کے تیس نوٹ میز پر رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے ایسی ہی تھکن ظاہر ہورہی تھی جیسے گھنٹوں پولو کھیلنے کے بعد ابھی ابھی گھوڑے کی زین چھوڑی ہو!

نوٹ میز ہی پر پڑے رہے کیونکہ الٹی تصویر نعیم کے ذہن میں بڑی تیزی سے گردش کررہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اپنی گردن تو نہیں پھنسا رہا۔

کہیں یہ کسی قسم کی سازش نہ ہو....!

لیکن.... لیکن.... فلیٹ کا کرایہ.... پٹھان چوکیدار.... اونہہ دیکھا جائے گا؟ اس نے لاپروائی سے گردن جھٹک دی۔

دفعتاً پرنس ندامت آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"دیکھو دوست! تم مجھے پرلے سرے کا احمق سمجھ رہے ہو گے.... کیا میں بالکل گدھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"ارے.... ہو ہو ہو...." نعیم ہونٹ سکوڑ کر ہنسا۔ "آپ کیا فرما رہے ہیں جناب۔"

"نہیں یہ سو فیصدی حماقت ہی ہے، لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں۔ کاش تم میری جگہ ہوتے اور میری بے بسی کا اندازہ اسی طرح لگا سکتے! ذہن کہتا ہے کہ تم گدھے ہو۔"

"لیکن دل.... ہائے دل کو کیا کہوں! یہ بعض اوقات آدمی کو دو کوڑی کا بھی نہیں رکھتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں جناب۔" نعیم نے جلدی سے کہا۔ اس کا ذہن الٹی تصویر سے ہٹ کر دس دس کے تیس نوٹوں پر جم گیا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں پرنس اپنا ارادہ نہ بدل دے۔

"اچھا تو یہ رہا.... سعیدہ کے سوتیلے چچا کا پتہ۔" پرنس اس کے آگے ایک وزیٹنگ کارڈ پھینکتا ہوا اٹھ گیا۔

شکاری شاگرد

وحید مینشن کی پشت پر آبادی نہیں تھی۔ صرف دو چار عمارتوں کے کھنڈر اپنے شاندار ماضی کی یاد میں بسورتے نظر آتے تھے اور پھر ان کے قریب ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔

کیپٹن حمید اس عمارت کے قریب رک گیا جس کا پتہ فریدی نے دیا تھا۔ کار اس نے بستی ہی میں چھوڑ دی تھی اور یہاں تک پیدل آیا تھا۔

اس عمارت کا رہائشی حصہ کھیتوں کی جانب تھا اور کھنڈر وحید مینشن کی پشت پر تھے۔ رہائشی حصے کے سامنے ایک بے ترتیب باغ تھا جس میں آم، جامن اور شہتوت کے متعدد درخت تھے۔ بعض پھولدار خودرو جھاڑیاں بھی تھیں، جن کی اگر سلیقے سے مرمت کی جاتی تو بدنمانہ معلوم ہوتیں۔

حمید کاندھے سے ایئر گن اتارتا ہوا باغ میں گھستا چلا گیا۔

پرندے تو بکثرت تھے لیکن مقصد انہیں ٹھکانے لگانا تو نہیں تھا۔ وہ زرد رنگ کی پتیوں پر نشانہ لگانے لگا۔ ساتھ ہی کنکھیوں سے برآمدے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کب کوئی کٹکھنا بوڑھا نکلتا ہے اور کب اسے اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوکھلاہٹ میں وہ بندوق کی نال ہی چبا جائے گا۔ کیونکہ برآمدے سے تو چاند طلوع ہو رہا تھا۔ یعنی وہ کسی جھکی بوڑھے کی شفاف چندیا کی بجائے ایک چاند سا چہرہ تھا۔

بڑی دلکش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی۔ پہلے تو اس کے ہونٹ متحیرانہ انداز میں کھلے اور پھر جب حمید اس سے لاپرواہ ہو کر فائر پر فائر کرتا ہی چلا گیا تو وہ بڑے غصیلے انداز میں برآمدے سے نیچے اتری۔

"اے مسٹر....!" کانپتی ہوئی سی سریلی آواز حمید کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ خواہ مخواہ اسی طرح اچھل پڑا، جیسے "اے مسٹر" کی صدا اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح پڑی ہو۔

"آپ کیا کر رہے ہیں....!"

"گلہریاں مار رہا ہوں۔"

"شرم نہیں آتی....!"

"گلہریاں ایسی شرمناک تو نہیں ہوتیں۔"

"دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"میرا دماغ تو ٹھیک ہی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پھر درختوں پر نظر دوڑانے لگا۔

"ارے...." عورت زیادہ غضب ناک ہو کر بولی۔ "کیا دھکے دلوا کر نکلوانا پڑے گا۔"

"تو آپ خفا کیوں ہوتی ہیں! صرف تین گلہریاں ماروں گا۔"

عورت نچلا ہونٹ دانتوں دبائے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ پھر دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر نرمی کے آثار پائے۔

"مگر یہ طریقہ کتنا بھونڈا ہے کہ آپ اجازت حاصل کئے بغیر دوسروں کے باغوں میں نشانہ بازی کرتے ہیں...." اس نے کہا۔ "اور پھر گلہریاں....!"

"ہو سکتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہو۔ لیکن آپ گلہریوں کی طرف سے بُرا کیوں مان رہی ہیں۔" حمید نے بھی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا اور عورت کو ہنسی آگئی۔ اس نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا اور بولی۔

"بڑے نکچڑھے معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نہیں جانتا کہ نکچڑھا کسے کہتے ہیں اس لئے نہ اس پر خوشی ظاہر کر سکتا ہوں اور نہ بُرا مان سکتا ہوں۔"

"دلچسپ....!" عورت نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔ "دلچسپ بھی

معلوم ہوتے ہو! ادھر آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔"

"گلہریوں کا شکار۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"آخر گلہریوں کا شکار کر کے کیا کرو گے.... کس کام آئیں گی۔"

"کباب....!"

"توبہ....!" عورت نے بُرا سا منہ بنایا۔ "چھی.... اُوع....!" اسے اوبکائی سی آئی تھی۔

حمید پھر درختوں پر گلہریاں تلاش کرنے لگا۔

"تم گلہریوں کے کباب کھاتے ہو....!"

"میں نہیں کھاتا! دھوکے سے اپنے پاپا کو کھلاؤں گا...." حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں....؟"

"پہلے اُلو کا گوشت کھلایا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ایک آدمی نے بتایا ہے کہ گلہری کے کباب کھلاؤ۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"ارے.... اوہ.... آپ سے تم پر آ گئیں۔ کمال ہے! میرا خیال ہے کہ ہماری ملاقات کی مدت اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتی۔"

"اور یہ شرافت ہے کہ آپ بغیر اجازت ہمارے باغ میں گھس آئے ہیں۔"

"اس کے لئے میں معافی مانگ لوں گا....!"

"تو میں بھی بے تکلفی کے لئے معافی مانگ لوں گی۔"

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں....!"

"ارے واہ....!" عورت منہ کھول کر رہ گئی پھر ہنس پڑی۔

حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا واپسی کے لئے مڑا۔

"ارے نہیں! ماریئے گلہریاں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر ٹھہریئے۔ خیر کچھ نہیں.... لیکن....!"

حمید آنکھیں نکالے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"آخر آپ نے اپنے پاپا کو اُلو کا گوشت کیوں کھلایا تھا۔"

"تاکہ وہ پاگل ہو جائیں.... آپ سے مطلب....!"

عورت گھاس پر بیٹھ گئی.... وہ متحیر نظر آ رہی تھی اور شاید اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ حمید غیر سنجیدہ تو نہیں ہے۔

"مگر کیوں....؟" اس نے پوچھا۔

"میں آپ کو اپنے نجی معاملات میں کیوں شریک کروں۔"

"کیا حرج ہے....!" شاید وہ حمید کو بدھو سمجھی تھی۔

"اچھی بات ہے.... اگر کوئی حرج نہیں تو آپ ہی کوئی آسان سی تدبیر بتائیے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گھر والے مجھے احمق سمجھتے ہیں! بات دراصل یہ ہے کہ ان کے باپ بھی پاگل ہی ہو کر مرے تھے، لیکن وہ کسی طرح پاگل ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"ارے.... تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ مر جائیں...." عورت کا منہ پھر کھل گیا۔

"کیوں نہ چاہوں۔ وہ مجھے بکریاں نہیں پالنے دیتے۔"

عورت پھر ہنس پڑی....!

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔" حمید نے کسی چڑچڑے بچے کی طرح پیر پٹخے۔

"صرف اتنی سی بات پر کہ وہ آپ کو بکریاں نہیں پالنے دیتے.... آپ چاہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو جائیں مر جائیں.... کتنی عجیب بات ہے.... کیا آپ سنجیدہ ہیں۔"

"قطعی رنجیدہ نہیں ہوں....!"

"رنجیدہ نہیں سنجیدہ...." عورت نے تصحیح کی۔

"میں قطعی سنجیدہ ہوں! آپ مجھے شکار بھی کرنے دیں گی یا باتوں ہی میں الجھائے رکھیں گی۔"

"گلہریوں کے کباب سے کوئی پاگل نہیں ہو سکتا۔" عورت بولی۔ "وہ تو دمہ کے مریضوں کو بھی کھلائے جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا گلہری کے کباب بیکار ثابت ہوں گے۔"

"میں نے تو نہیں سنا کہ وہ اس قسم کی چیزوں کیلئے استعمال ہوتے ہوں! البتہ اُلو کا گوشت۔"

"وہ تو بالکل ہی بکواس ثابت ہوا تھا۔ البتہ اسے کھلا کر میں خود کو بالکل اُلو محسوس کرتا رہا ہوں.... سنا ہے کہ اُلو کی روح ذبح کرنے والے کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہتی ہے۔"

"آپ شاعر تو نہیں ہیں! خدانخواستہ.....!"

"خدانخواستہ کیوں؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"کچھ نہیں بس یونہی.... اور.... جلدی.... جلدی.... فوراً اس جھاڑی میں چھپ جایئے.... فوراً....!"

وہ اٹھ کر اسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ ویسے حمید نے بھی قدموں کی آہٹ سنی تھی۔

"کک.... کیوں....!" اس نے بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"چلو...." عورت نے اسے جھاڑیوں میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"چھپے رہنا....!"

حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ پھر اس نے وہاں چھپے ہوئے آنے والے کو دیکھا۔ یہ ایک بوڑھا اور پستہ قد آدمی تھا۔ شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور دہانے کے گوشے سے پان کی سرخی دونوں جانب کی جھریوں میں پھسل آئی تھی۔ بال بے ترتیب تھے۔

"اوہ ڈیئر....!" عورت کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

وہ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور چاروں طرف مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"ارے واہ.... غزل کہہ رہی تھی۔"

"تم اور غزل.... چلو اندر چلو.... تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔"

"دیکھو ٹھہرو! میں اس مصرعے پر غزل کہہ رہی ہوں....!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"میں سفر پہ جا رہی ہوں مرا انتظار کرنا۔"

مصرعہ سن کر حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بوڑھا بولا۔ "بکواس....!"

پھر وہ دونوں برآمدے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ کیا وہ اس کی بیوی تھی۔

واہ کیا مصرعہ عنایت کر گئی ہے۔ مگر کتنی دلکش ہے۔ یہ شادی کس طرح ہوئی ہو گی۔

وہ نہایت اطمینان سے ان کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچنے لگا۔ حالانکہ سوچنا یہ چاہئے تھا کہ بوڑھے تک پہنچنے کی کیا صورت ہو۔

کچھ دیر بعد وہ چونک پڑا کیونکہ عمارت سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آئی تھیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا عورت برآمدے میں کھڑی چیخ رہی تھی اور بوڑھا اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔

"نہیں مجھے جانے دو! اب میں ایک منٹ بھی اس کھنڈر میں نہیں رہ سکتی۔ سمجھے، مکھی چوس کہیں کے۔ کنجوس....!" عورت کہہ رہی تھی۔

"ارے سنو تو سہی! دیکھو میں دوسری عمارت خریدوں گا۔"

"تو تم نے اب تک مجھے دھوکے میں کیوں رکھا تھا۔ یہ کیوں کہتے تھے کہ اس کوٹھی میں رہنے میں کچھ قانونی دشواریاں ہیں۔ اگر قانونی دشواریاں تھیں تو تم نے اسے فروخت کیسے کر دیا۔"

"میری بات بھی تو سنو! وہ منحوس تھی۔" بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں وہاں کیسے رکھتا۔ اب دیکھو.... اسی رقم سے کتنی شاندار کوٹھی خریدتا ہوں۔"

"تم کبھی کچھ نہیں کر سکتے.... کچھ نہیں کر سکتے.... بس غزلیں کہا کرو۔"

"بس ختم بھی کرو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے اندر اندر کوٹھی ضرور خرید لوں گا۔ چلو اندر چلو۔"

"میں نہیں جاؤں گی...." عورت چیخ کر بولی۔ "میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کھلی ہوا میں ٹہلنا چاہتی ہوں۔"

"کیا میں بھی ٹہلوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔

"پھر فائدہ ہی کیا ہوگا! مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دیر تک تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی، چلے جاؤ۔"

"تم بعض اوقات مجھ پر زیادتی کرنے لگتی ہو۔"

"جاؤ اندر، ورنہ قسم کھا کر کہتی ہوں کنویں میں چھلانگ لگا دوں گی۔"

بوڑھا چپ چاپ اندر چلا گیا اور عورت نے باہر سے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹے سے پہلے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی!"

بے ڈھب معلوم ہوتی ہے۔ حمید نے سوچا.... وہ اسی طرف آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھاڑیوں میں گھس آئی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ منہ دبائے ہوئے بُری طرح ہنس رہی تھی۔ حمید اپنے چہرے پر جھلاہٹ سے بھرپور سنجید گی

طاری کر کے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے مجھے اس طرح کیوں روک دکھا ہے۔“

”میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔

”کیوں....؟“ حمید نے بوکھلاہٹ ظاہر کی۔

”تم کوئی چور ہو۔ اسی طرح پائیں باغوں میں گھستے پھرتے ہو۔ موقعہ ملا تو کوئی چیز لے بھاگے۔“

”اچھی بات ہے! میں تیار ہوں۔ بلاؤ پولیس کو۔“

”تم کہاں رہتے ہو.....!“

”پرنس کالج کے ہوسٹل میں....!“

”ہوں....!“ عورت آنکھیں نکال کر بولی۔ ”ادھر کیوں آئے ہو۔“

”وہ....وہ....دیکھئے....!“ حمید کا چہرہ اتر گیا اور وہ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

”ہوں....بولو....!“ عورت نے آنکھیں نکالیں۔

”میں بتادوں.... آپ خ.... خفا تو نہ ہوں گی۔“ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”کہو.... جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

”میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔ اکثر دور سے دیکھا ہے۔ یعنی کہ.... یعنی کہ۔“

”تم جھوٹے ہو! اپنی غزل پر اصلاح لینے آئے تھے۔“ عورت جھلائے ہوئے لہجے میں ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”مگر نصرت صاحب شاگرد نہیں بناتے۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔“

”اوہ.... حمید نے دل ہی دل میں قہقہہ لگا کر سوچا.... واہ محترمہ واہ.... اس طرح تو تم مجھے خود ہی دوسرا راستہ دکھا رہی ہو.... ذہین بھی ہو اور حیلہ جو بھی۔“

”کیا آپ روشن ضمیر ہیں....“ حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

”ہوں ہے نا.... کیسا پہچانا.... اچھا چلو کرو میری خوشامد.... شاگرد بنوادوں گی۔ وہ ملک کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ تم جیسے نہ جانے کتنے آتے ہیں اور جھک مار کر چلے جاتے ہیں۔ چلو تم پر احسان کروں گی۔ کچھ غزلیں زبانی بھی یاد ہیں یا نہیں۔“

”کئی....!“

”اچھا تو یہ بندوق یہیں چھوڑ دو۔“

حمید بندوق زمین پر ڈال کر اٹھ گیا۔ بوڑھے کی بیوی ہی ساری مشکلات کا حل بن گئی تھی، اس لئے وہ اسے سوفیصدی اپنا کارنامہ سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ عورت تو خود ہی اس سے دوستی پیدا کرنے کی خواہش مند معلوم ہوتی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے.... مطلب کہ تخلص....!"

"پرواز فاختی....!"

"خوب.... تو آؤ....!"

"آپ کے والد ہیں۔" حمید نے چھیڑنے کے لئے پوچھا۔

"نہیں میں ان کی والد ہوں۔"

حمید کو سچ مچ ہنسی آ گئی اور اس نے سوچا زندہ دل بھی ہو محترمہ! زندہ رہنے کے لئے اپنی کھال پر کتنی تہیں چڑھانی پڑتی ہیں یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قہقہوں سے بھی جھانکتی رہے....!

وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ پھر رک گئی اور مڑ کر آہستہ سے بولی۔

"نروس نہ ہو جانا.... میں انہیں ہینڈل کر سکتی ہوں۔"

حمید نے سختی سے ہونٹ بند کر کے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے لگی تھی۔

لیکن اندر پہنچتے ہی بھونچال سا آ گیا۔ حمید کو دیکھ کر پہلے تو بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور پھر وہ یک بیک اپنی بیوی پر برس پڑا تھا۔ "حد ہو گئی! میری خاموشی کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم، جو کچھ بھی چاہو کرتی پھرو۔"

"میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔" بیوی نے اُسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی الیکٹرک شاک ہی نے بوڑھے کو ساکت کر دیا ہو۔ اب اس کی پلکوں کے جھپکنے میں بے بسی ہی کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

"یہ کک کون ہیں.!" اس نے نحیف سی آواز میں پوچھا۔

"میری شامت ہیں۔" بیوی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"میں نہیں سمجھا....!"

"شاعر ہیں! شاگرد بننے آئے ہیں۔ بڑی دیر سے میری کھوپڑی چبا رہے ہیں کہ سفارش

کر دیجئے۔"

"اوہ.... کس نے بھیجا ہے آپ کو....؟" بوڑھے نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس جناب بہتوں سے تعریف سنی تھی! کئی لوگوں نے کہا تھا کہ آپ سے بہتر استاد اس شہر میں دوسرا نہیں ملے گا۔"

"مگر میں شاگرد نہیں بناتا۔"

"مجھے علم ہے جناب مگر میری درخواست نہ ٹھکرائیے!"

"میں اپنا اصول تو نہیں توڑ سکتا۔"

حمید کو اب اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ وہ کنکھیوں سے دیوار پر لٹکتی ہوئی رائفل کو دیکھ رہا تھا.... رائفل.... جس میں یقینی طور پر سائیلنسر بھی موجود تھا۔

"مگر میں وعدہ کر چکی ہوں۔" اس نے بیوی کی آواز سنی اور پھر بوڑھے کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا، جو اپنا نچلا ہونٹ کچھ ایسے انداز میں چوس رہا تھا جیسے اُسے نگل ہی جانا چاہتا ہو، لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ غصے کی علامت تھی یا ذہنی الجھاوے کی۔

"خیر....!" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "اگر وعدہ کر چکی ہو تو.... ہُم ٹھیک ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی۔

نذر پور ہاؤز

نعیم بوکھلایا ہوا تھا اس لئے نہیں، کہ پٹھان چوکیدار نے اس کا سامان فلیٹ سے نکال کر پھینک دیا تھا بلکہ بوکھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اس نے نہ صرف فلیٹ کا کرایہ اس کے منہ پر پھینک مارا تھا، بلکہ آج ایک ایسی عمارت میں رات گذارنے والا تھا، جو شاید کبھی خواب میں بھی اسے نہ دکھائی دیتی۔ اور وہ عمارت اسی کے نام سے خریدی گئی تھی.... لیکن.... کیا وہ عمارت آسیب زدہ تھی؟

.... کیا وہ حقیقتاً ڈاکٹر سعیدہ کا بھوت تھا؟ اگر یہی بات تھی تو کیا وہ سکون سے رات بسر کر سکے گا۔

پھر وہ پرنس توقیر کے متعلق سوچنے لگا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔

کیا پرنس توقیر پاگل نہیں ہے؟ ایک مردہ عورت کے لئے چالیس ہزار روپے خرچ کر دیئے

اور اسے محض اس لئے ایک ہزار روپے ماہانہ دے گا کہ وہ اس عمارت میں رئیسانہ ٹھاٹ کے ساتھ قیام کرے؟

کیا چکر ہے؟ اس کا اصل مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ کنور توقیر کی کہانی پر یقین کرے.... اگر وہ بے کار نہ ہوتا تو ان الجھنوں میں کبھی نہ پھنستا۔

پھر یک بیک اسے الٹی تصویر یاد آگئی۔ اس آدمی کی تصویر جو پُراسرار حالات میں قتل کر دیا گیا تھا۔

تصویر کا خیال آتے ہی اس کے ذہن پر انجانا سا خوف مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں یہ خوف سعیدہ کے بھوت کے خوف سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہو رہا تھا۔

ایک دن پہلے جس آدمی کی الٹی تصویر دیکھی تھی، وہی دوسرے دن مردہ پایا گیا۔ لیکن وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اس کی موت سے اس کی الٹی تصویر کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا۔ ورنہ وہ وہاں نظر ہی کیوں آتی....؟ پھر کیا یہ عمارت بھی کسی طرح اس کی موت کے سلسلے میں زیرِ بحث آسکتی ہے؟

نعیم کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بعض قاتل اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپنے کے لئے بہت کچھ کر گذرتے! لیکن اسے پہلے ہی یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا، حالانکہ اس جنجال میں پھنسنے سے پہلے ہی اس نے مرنے والے کی تصویر اخبارات میں بھی دیکھ لی تھی۔ پھر کیوں پھنس گیا.... کیا مقدر.... کیا مقدر اسے کسی جہنم میں جھونکنے والا ہے۔

کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ اٹھا اور خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔

اچانک راہداری کی گھنٹی بجنے لگی اور اس کے قدم راہداری کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

اوہ پرنس توقیر کے علاوہ اور کون ہو گا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ مگر وہاں اسے پرنس توقیر کی بجائے وہی بوڑھا آدمی نصرت نظر آیا جس سے اس نے عمارت خریدی تھی۔

"فرمایئے جناب....!"

"کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے....!" بوڑھے نے کہا۔

"اوہ.... کیوں نہیں اندر تشریف لے چلئے جناب۔" نعیم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

وہ اسے نشست کے کمرے میں لایا۔ بوڑھے کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہے، ہچکچاہٹ کے بغیر نہیں کہہ سکتا۔

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں جناب۔" آخر کار اس نے کہا۔

"بے تکلفی سے فرمایئے۔"

"میری بیوی اس سودے کے حق میں نہیں ہے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے..." نعیم نے حیرت سے کہا۔

"اوہ.... میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ عمارت خالی کر دیجئے۔ میں تو کسی طرح اسے یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ بعض قانونی دشواریوں کی بناء پر یہ سودا ہو ہی نہیں سکا۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں نہیں بتا سکوں گا۔"

"اچھا چلئے! آپ نے انہیں باور کرا دیا کہ سودا نہیں ہو سکا! پھر؟ میں تو ہر حال میں یہیں مقیم رہوں گا۔"

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہہ دیا جائے گا کہ آپ کرائے پر رہتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" نعیم نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اوہ.... یہ قطعی گھریلو حالات ہیں.... تو پھر کل آپ تشریف لا رہے ہیں۔"

"کہاں....!"

"میرے گھر پر....!"

"وہاں.... آخر میں کیا کروں گا۔"

بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اوہ دوسری تدبیر بھی ہے۔ میں اس سے یہ تو بتا ہی چکا ہوں کہ سودا کر رہا تھا لیکن بعض قانونی دشواریاں آپڑی ہیں.... لیکن شاید خریدنے والا کرایہ دار کی حیثیت سے وہاں رہ سکے.... آپ آکر صرف اتنا کہہ دیجئے گا کہ عمارت آسیب زدہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ رات بھر سو نہیں سکے....!"

بوڑھا خاموش ہو کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں آپ کا انتظار کروں گا۔“

”مگر جناب میں یہ سب کچھ کیوں کروں! میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”آپ کا نقصان کیا ہے! بھئی دیکھئے۔ اگر آپ کہیں گے کہ عمارت آسیب زدہ ہے تو وہ ضدی عورت اسے فروخت ہی کر دینے میں عافیت سمجھے گی اور میں اس کی بک بک جھک جھک سننے سے بھی بچ جاؤں گا۔“

”یہ عمارت تو ویسے بھی سیب زدہ مشہور ہے۔“

”بکواس ہے! کون کہتا ہے؟“ بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”لوگ کہتے ہیں کہ اکثر راتوں کو انہوں نے ڈاکٹر سعیدہ کی ہم شکل ایک عورت یہاں دیکھی ہے....!“

”میرے کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔ یہ سراسر بکواس ہے۔“

نعیم پھر کچھ سوچنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اس نے اس کا پتہ پوچھا۔ وہ ابھی تک بوڑھے کے صحیح پتہ سے واقف نہیں ہوا تھا گو اس نے کئی بار سنا اور دیکھا تھا لیکن اس قدر دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کہ وہ ذہن نشین ہو جاتا۔ سودا ایک دلال کے ذریعے ہوا تھا، جو نصرت کو شہر کے ایک ہوٹل میں لایا تھا اور وہیں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ خود نعیم اس کے گھر نہیں گیا تھا۔

”آپ بہت آسانی سے پہنچ جائیں گے! میرا مکان ٹھیک وحید مینشن کی پشت پر واقع ہے.... دولت گنج میں کسی سے بھی وحید مینشن کے بارے میں پوچھ لیجئے گا۔ بہت مشہور عمارت ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

”وحید مینشن.... دولت گنج....!“ نعیم نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔ ”اوہ.... وہی تو نہیں.... جہاں سر وحید....!“

”جی ہاں.... جی ہاں! اس حادثے کے بعد تو وہ عمارت اور بھی زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔“ بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔

”لیکن.... لیکن.... اوہ کچھ نہیں۔“ نعیم خاموش ہو گیا۔

بوڑھا بھی خاموش ہو گیا تھا۔ نعیم سوچ رہا تھا کہ الٹی تصویر کا تذکرہ کس طرح چھیڑے۔ اب تو معاملہ اور بھی زیادہ پُر اسرار بنتا جا رہا تھا۔

"سر وحید آپ کے کوئی عزیز تھے۔" آخر کار اس نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کیوں میرا عزیز ہونے لگا۔"

"ڈاکٹر سعیدہ سے کوئی تعلق تھا۔"

"نہیں صاحب۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ بھلا ہمیں اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... میں نے یونہی پوچھا تھا۔ بہر حال وہ آپ کا پڑوسی تو تھا ہی۔"

"پھر اس سے کیا....!" بوڑھا نعیم کو گھور رہا تھا۔

"اوہ.... کچھ نہیں! بس.... میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کا تذکرہ ناگوار گذرا ہے۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بھئی مجھے کیوں گراں گذرنے لگا اس کا تذکرہ.... جہنم میں جائے۔"

"اف فوہ! آپ پھر غلط سمجھے۔ سارا شہر یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہے کہ وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوتا تھا۔ قدرتی بات ہے اگر میں آپ سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں! کیونکہ وہ آپ کا پڑوسی تھا۔"

"ہوں تو دیکھئے۔" بوڑھا غصیلے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ "سارے شہر کو بتا دیجئے کہ وہ شہر کے ہر فرد کو گدھا سمجھتا تھا۔ اگر وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا تو مت سمجھو کہ اس کا دماغ چل گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ سر کے بل کھڑے ہونے میں اسے ایک کے چار نظر آتے رہے ہوں۔"

بوڑھا اٹھا اور الوداعی سلام کے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔

"رپورٹ....!" کرنل فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ اپنی تجربہ گاہ کی ایک میز پر جھکا ہوا خون کے کچھ نمونے ٹسٹ کر رہا تھا۔

حمید کی نگاہ دیوار کی گھڑی پر جمی ہوئی تھی۔ جس نے ابھی ابھی ساڑھے بارہ بجائے تھے۔

"رپورٹ صرف دہرائی نہیں جاتی بلکہ سنی بھی جاتی ہے۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"گلہری کے کباب حاضر ہیں! اور آپ کے علاوہ دنیا میں ایسا اور کون ہے جسے میں باپ کہہ سکوں۔"

"کیا بکواس شروع کر دی۔"

جواب میں بکواس نے تفصیل اختیار کر لی اور بالآخر حمید نے اسے بتایا کہ نصرت نے اسے اپنا شاگرد بنالیا ہے اور اس نے استاد ذوق کی ایک غزل اصلاح کے لئے پیش کی ہے جس کے پورے پورے مصرعے نصرت نے بدل دیئے ہیں۔

"ہوں تو گویا اب تم وہاں اپنا کچھ وقت گذار سکو گے۔"

"ساری زندگی وہیں گذر سکتی ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے.... اور کچھ۔"

"بہت کچھ.... بڑی دلکش عورت ہے۔ بوڑھے کے جھکی پن سے تنگ آکر اس نے اسے شاگردوں کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی، دو چار اور لاؤ۔ دونوں کے درمیان بڑی دلچسپ جنگ ہوتی ہے۔"

"ہوں.... کیا تمہاری موجودگی میں بھی جنگ ہوئی تھی۔"

"قطعی ہوئی تھی اور اسی جنگ کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی مفلس آدمی نہیں ہے۔"

"اچھا....!" فریدی ٹسٹ ٹیوب میز پر ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"وہ ایسی عمارتوں کا مالک ہے جن کے دام چالیس ہزار تک لگ سکیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"کام کی بات نمبر ایک....؟" فریدی مسکرایا۔

"ہے نا کام کی بات! چلئے کچھ تو ہوا۔ اچھا اب دوسری کام کی بات ہے اس کی بیوی۔"

"بکو....!"

"وہ بے حد ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس سال ہو گی، لیکن نصرت کھوسٹ ہے.... اگر وہ کوئی قدامت پسند عورت ہوتی تو میں یہ سمجھ لیتا کہ اُن کی شادی کسی مجبوری کے تحت ہوئی ہو گی۔ یعنی اس میں والدین کی زبردستیوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن وہ تو

الٹرا موڈرن قسم کی چیز ہے۔ جو والدین کو ڈفر کہہ کر معاملہ ختم کر دیتی۔ پھر عمروں کا یہ تفاوت کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اس فکر میں نہ پڑو! ذہنی صحت کے اعتبار سے دنیا میں متعدد اقسام کے لوگ پائے جاتے ہیں، جن کے متعلق تم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے! لہٰذا عمروں کے تفاوت پر غور کرنے کی بجائے اس معاملے میں کام کا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اس الٹرا موڈرن عورت نے اس کھنڈر میں رہنا کیسے منظور کر لیا ہے، جب کہ کوئی ایسی عمارت بھی موجود تھی جسے وہ اتنی قیمت پر بیچ سکے۔"

"ہاں.... ٹھہریئے! میں اسی سوال کی طرف آ رہا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"لیکن آپ.... خیر جانے دیجئے۔ میں اب ان کی عمروں کے فرق کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ شاید آپ کو اپنا مستقبل نظر آنے لگتا ہے.... میں کہتا ہوں جب شادی کئے بغیر گذارہ نہیں تو بڑھاپے میں کیوں کی جائے۔"

"غیر متعلق باتیں نہ کرو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"خیر.... ہاں تو ان دونوں کے درمیان جھگڑا اسی بات پر ہوا تھا۔ اس نے اسے اطلاع دی تھی کہ کسی عمارت کا سودا چالیس ہزار میں ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے شاید وہ اس سے کہتا رہا تھا کہ کسی قانونی دشواری کی بناء پر نہ تو وہ اس میں رہ سکتے ہیں اور نہ اسے فروخت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی لئے بات بڑھ گئی، جب اس نے سودے کی خبر سنائی اور میرا خیال ہے کہ میں اس کا شاگرد بھی اسی جھگڑے کے سلسلے میں بن گیا تھا۔ ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گھر میں اجنبیوں کا داخلہ پسند کرے۔"

"کیا وہ عمارت کی فروختگی کی مخالف تھی۔"

"صرف اس حد تک کہ وہ اس کھنڈر میں نہیں رہنا چاہتی۔ لہٰذا جب نصرت نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ ان چالیس ہزار روپوں سے کوئی دوسری عمارت خرید لے گا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔"

"ہوں.... لیکن اس نے اس حماقت پر اعتراض تو ضرور کیا ہو گا کہ ایک عمارت بیچ کر دوسری خریدی جائے.... کیا وہ اسی عمارت میں نہیں رہ سکتے تھے۔"

"اوہ.... یاد آیا۔ بوڑھے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس ہے اس لئے اسے فروخت کر دینا ہی مناسب ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر تم اتنی دیر تک کہاں رہے۔"

"استاد اور استانی کی کشمکش میں پھنس کر رہ گیا تھا۔"

"کیوں؟.... کیا بات تھی۔"

"استاد چاہتے تھے کہ اب میں جہنم میں جاؤں۔ لیکن استانی کا قول تھا کہ نہیں ابھی بیٹھو میں اس کھنڈر ہی کو جنت بنا دوں گی....!"

"سیدھے سادھے الفاظ میں گفتگو کرو۔"

"ارے صاحب استاد چاہتے تھے کہ میں دفع ہو جاؤں لیکن جب بھی میں اٹھنا چاہتا، استانی فرماتیں، ارے ایسا بھی کیا ابھی بیٹھئے۔ استاد جز بز ہو کر کہتے جانے دو، ممکن ہے کوئی کام ہو.... اس پر استانی مجھ سے پوچھتیں کوئی کام ہے.... ظاہر ہے کہ میں استانی سے کیسے جھوٹ بول سکتا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ مجھے کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے جس کے نہ ہونے پر نقصان کا احتمال ہو۔ آخر استاد نے جھلا کر کہا تھا کہ آپ کتنے بیکار آدمی ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں اس کے علاوہ اور کیا عرض کر سکتا تھا کہ باکار لوگ آدمی تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعر نہیں ہو سکتے۔ وہ زیادہ بگڑے تو استانی پھر مکان کا جھگڑا نکال بیٹھیں اور خود انہیں ہی بور ہو کر بھاگنا پڑا.... جب وہ چلے گئے تو اس نامعقول عورت نے مجھے بھی گھر سے باہر نکال دیا۔"

"وہ کیسے....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کی۔

"ارے اتنا بُرا منہ بنا کر کہا تھا کہ آپ بھی تشریف لے جاسکتے ہیں کہ بس مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا، جیسے دو چار چپلیں جھاڑ کر تشریف لے جانے کی استدعا کی ہو۔"

"خوب....!"

"اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو کیا واقعی دو چار چپلیں....!" فریدی مسکرایا۔

"ایسی قسمت کہاں ہے کہ عورتوں کے ہاتھ کی مار ہی سہی.... نصیب تو ہو سکے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دوسری بات تھی.... میں کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ڈگمگاتا اس جگہ

پہنچا تھا جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ نصرت نظر آیا جو ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ چلتا رہا۔ آخر وہ ایک عمارت کے سامنے اترا اور اندر چلا گیا۔ عمارت شاندار تھی! پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں ہے! میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی بیرونی برآمدے تک کا نظارہ کر سکتا تھا۔ بوڑھے کے گھنٹی بجانے پر ایک آدمی نے دروازہ کھولا تھا، اور اسے اندر لے گیا تھا۔ پھر تقریباً بیس منٹ بعد بوڑھا باہر آیا، جو بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ ٹیکسی اس نے رکوائے رکھی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی، لیکن میں اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے بوڑھا اسے گالیاں دے کر بھاگا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی اور حمید نے کہا۔

"شاید دس منٹ بعد وہ آدمی پھر باہر نکلا اور پھاٹک کو مقفل کر کے سڑک پر آیا۔ پھاٹک کو مقفل کرنے کا مطلب یہی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی تھا۔ بہر حال وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے بھی گاڑی وہیں چھوڑ دینی پڑی۔ بس اسٹاپ تک وہ پیدل آیا، اور روٹ نمبر ۳ کی ایک بس پر بیٹھ گیا.... سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم کیٹنگ روڈ کی کراسنگ پر اتر گئے اور پھر کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ نذر پور ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔"

"نذر پور ہاؤز....!" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"کیوں....؟" حمید نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں.... کہتے رہو....!"

"کیا کہوں؟.... ظاہر ہے کہ وہ اندر چلا گیا تھا۔ کمپاؤنڈ کے اندر میں کیسے داخل ہوتا۔"

"یہی بہت ہے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "نذر پور ہاؤز.... سر وحید.... سر وحید.... اوہ....!" پھر حمید کی طرف دیکھ کر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

دوسری واردات

گھڑی اب ایک بجا رہی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اچھل کر دیوار کی گھڑی ہی سے سر ٹکرا دے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی رپورٹ یک بیک اتنی عافیت سوز ہو جائے گی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی نے اپنے ساتھ آنے کو اس لئے نہیں کہا تھا کہ وہ باورچی خانے میں اس کا ہاتھ بٹائے! یقینی طور پر باہر جانا تھا۔

"میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔" حمید منمنایا۔

"اب رات کہاں دھری ہے! ایک بج رہا ہے فرزند.... دوسرا دن شروع ہو گیا!" فریدی نے زینے طے کرتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے آئے اور فریدی نے کہا۔ "فکر مت کرو.... ہم کسی ایسی جگہ ہرگز نہیں جائیں گے، جہاں تمہاری بھوک تم پر ادھار رہے....!"

اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو.... از اٹ منیجر.... اوہ.... پلیز.... ذرا معلوم کیجئے۔ کیا مسٹر لکھن اپنی میز پر موجود ہیں.... اوہ.... بہتر....!"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر یک بیک بولا۔ "ہیلو.... موجود ہیں۔"

"اوہ.... شکریہ.... جی نہیں! بس یہی معلوم کرنا تھا، انہیں تکلیف نہ دیجئے۔"

وہ ریسیور رکھ کر مڑا.... اور حمید کو آنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"ہم جنت کے باورچی خانے کی طرف تو پرواز نہیں کر رہے ہیں....؟" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"صرف ہائی سرکل کلب تک....!"

"لکھن کون ہے؟"

"لکھن.... لکھن ہے۔"

"نذر پور ہاؤز...." حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "آپ صرف اس کے نام پر دوڑے جا رہے ہیں۔ لیکن میری بات پوری کب ہوئی تھی۔"

"کیوں....؟"

"میں نے نذر پور ہاؤز کے پھاٹک پر دو آدمیوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔ لیکن ان میں سے ایک کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اور دوسرا تو وہی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے اندر چلے جانے پر سوچ رہا تھا کہ اس کی واپسی ضروری نہیں ہو سکتی! ممکن ہے یہیں رہ جائے۔ پھر مجھے

کیا کرنا چاہیئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد روش سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ آنے والے پھاٹک ہی کی طرف آرہے تھے۔ میں دیوار سے چپکا ہوا پیچھے کھسک گیا۔ پھاٹک پر بھی اندھیرا ہی تھا۔ آنے والے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے آئے تھے اور پھاٹک پر رک گئے تھے اور اب میں ان کی گفتگو صاف سن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک کو کہتے سنا! دیکھو دوست! تم پریشان کیوں ہو! پرواہ مت کرو۔ اگر تم اس بوڑھے کے گھر گئے تو تمہاری تنہائی بھی رفع ہو جائے گی۔ ضرور جاؤ۔ اگر تم اس کی بیوی کو اس سے جدا کر سکے تو بہت بڑے انعام کے مستحق ہو گے.... ہو سکتا ہے کہ میں اس عمارت سے تمہارے حق میں ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاؤں.... پھر دوسری آواز نے پوچھا تھا آخر کیوں.... میں اس کی بیوی سے اسے جدا کیوں کردوں.... پہلی آواز کا جواب تھا۔ آہ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی بھی اسی طرح ویران ہو جائے جیسی میری ہوئی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس کے بیان پر رائے زنی نہیں کی۔ اچانک تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا یہ نصرت اور اس کی بیوی ہی کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ایسی صورت میں جب کہ نصرت کو رخصت کر کے وہ سیدھا نذر پور ہاؤز پہنچا تھا، میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ دوسرا آدمی وہی تھا، جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"جی ہاں! جب وہ روشنی میں آیا تھا تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، ارے یہی کیوں میں نے پھر اس کا تعاقب اسی عمارت تک کیا تھا، جہاں نصرت گیا تھا۔"

"کیا وہ وہی عمارت تو نہیں تھی، جس کا سودا نصرت نے کیا تھا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا جانے....!"

وہ پھر خاموش ہو گئے اور لنکن سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ آخر کار کچھ دیر بعد وہ ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

ہال زیادہ گھنا آباد نہیں تھا۔ متعدد میزیں بالکل خالی نظر آرہی تھیں! ایک بجے کے بعد تو عموماً وہ لوگ جمتے تھے جنہیں دوسرے دن کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یا پھر سنیچر کی راتیں ایک بھی میز

خالی دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر میزوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک جانب بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "چلے آؤ....!"

حمید نے اسے ایک میز کے قریب رکتے دیکھا جہاں ایک مرد دو یوریشین لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ لڑکیاں قبول صورت تھیں لیکن مرد جسمانی اعتبار سے بھدا اور بد شکل تھا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے فریدی کو گھورنے لگا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکیوں کے منہ بھی کھل گئے تھے۔

"اوہ.... کک.... کیا.... مطلب....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

"غالباً.... تم نے مجھے پہچان لیا ہے مسٹر لکھن پال....!"

"ہوں.... مگر کیوں....!" لکھن غرایا۔ انداز بالکل کسی کٹکھنے کتے ہی کا سا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "صرف اپنی معلومات میں کسی قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید اس کی پشت پر کھڑا رہا۔

فریدی نے بھی اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ اگر کہتا بھی تو اسے کھل جاتا کیونکہ پیچھے کھڑے رہ کر وہ بآسانی ان دونوں لڑکیوں کو اشارے کر سکتا تھا۔

"آمد کا مطلب....!" لکھن اس طرح بولا جیسے فریدی کے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے ہی نہ ہوں۔

"میری آمد کا مطلب ہمیشہ آمد ہی ہوتا ہے.... رفت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"مگر کیوں.... لکھن نے مضطربانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور پھر حمید کو گھورتے ہوئے دوبارہ فریدی کے چہرے پر نظر جمادی.... حمید نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی اور دانت بھی دکھائے تھے۔ ویسے انداز چڑانے ہی کا سا تھا۔"

"کہیئے.... میں تنہا بیٹھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

لکھن نے پلکیں جھپکائیں۔

"میں سر وحید والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔"

"پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"شاید آپ مجھے تھوڑی بہت اطلاعات دے سکیں۔"

"کتنی فضول بات ہے کرنل! بھلا مجھے سر وحید سے کیا سروکار۔"

"میں آج کی بات نہیں کر رہا.... یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب آپ اور سر وحید دونوں ٹھیکیداری کیا کرتے تھے۔"

"میرے خدا.... اتنی پرانی بات! کرنل اسے چالیس سال کا عرصہ ہوا، جوانی کی بات ہے۔ ہم دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ اسے بھی تقریباً تیس سال ہونے کو آئے۔"

"سر وحید کو آپ نے ان دنوں کیسا آدمی پایا تھا۔"

"پرلے سرے کا بے ایمان....!" لکھن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ہم نے شرکت میں کاروبار کیا تھا اور وہ بے ایمان ثابت ہوا تھا۔"

"اس زمانے میں اس کی ذہنی حالت کیسی تھی۔"

"اوہ.... ذہنی حالت...." یک بیک لکھن ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اوہ.... آپ لوگ ذہنی حالت کی خرابی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"سر کے بل کھڑے ہونا ذہنی صحت مندی کی علامت اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب اسے ورزش کے طور پر اختیار کیا جائے.... لیکن کیا سر وحید ورزشوں کا اتنا ہی شائق تھا۔ ورزش کا شوق بھی جوانی ہی سے ہوتا ہے.... کیا سر وحید کو اس زمانے میں ورزش کا شوق بھی تھا جب آپ دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"ہونہہ.... کبھی نہیں۔"

لکھن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہ وہ پاگل تھا اور نہ اسے ورزش کا شوق تھا۔ لیکن سر کے بل کھڑے ہونے کی مشق اس نے بہر حال بہم پہنچائی تھی اور بڑھاپے میں جوانی میں نہیں! جوانی میں وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ بڑھاپے میں مسخرہ ہو گیا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کرنل....!" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا جسے حمید نہ سن سکا۔ شاید لکھن نے بھی نہیں سنا تھا، اس لئے وہ آگے جھک کر بولا۔ "جی....!"

"مجھے ایک آدمی اور بھی یاد آرہا ہے، جو آپ دونوں کا مشترکہ دوست تھا....؟"

"کون....؟"

"پرنس توقیر....!"

"ہاں اس کا کیا! وہ اب بھی میرا دوست ہے۔"

"ان دنوں سر وحید سے ان کے تعلقات کیسے تھے۔"

"ہمارے درمیان اس مسئلے پر کبھی کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔" لکھن بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ دونوں لڑکیاں اسے گھور رہی تھیں اور شاید یہ چیز لکھن کو گراں گذر رہی تھی۔ اس لئے وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اور کچھ کرنل....!"

"بہت کچھ مسٹر لکھن....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یعنی....!" وہ پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی وقت نہیں آیا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا شب بخیر۔"

لکھن کا منہ کھلا رہ گیا۔ فریدی اور حمید تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حمید برآمدے سے نیچے اترتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا بات ہوئی۔"

"چلے آؤ چپ چاپ....!" فریدی ادھر اُدھر دیکھے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

پھر حمید کو سوچنا پڑا کہ کہیں خود فریدی کا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ وہ لنکن کی طرف جانے کی بجائے کمپاؤنڈ کے ایک تاریک اور ویران حصے کی طرف جارہا تھا۔

"یہیں ٹھہر جاؤ....!" وہ آہستہ سے بولا۔

وہ چپ چاپ رک گیا۔ کہتا بھی کیا۔ فریدی کا طریق کار کچھ ایسا ہی تھا۔

"وہ دیکھو...." دفعتاً فریدی بولا اور حمید کی نظر عمارت کے بیرونی برآمدے کی طرف اٹھ گئی۔ لکھن ایک دروازے میں تنہا کھڑا تھا اور اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ اپنی کار میں نظر آیا اور کار پھاٹک سے گذر رہی تھی۔ حمید نے اسے بائیں جانب مڑتے دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے لنکن میں بیٹھے اور لکھن کی گاڑی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ "کیا اس رات کو صبر ہی کر لوں۔" حمید بڑبڑایا۔

''ہو سکتا ہے.... غلطی تم سے ہوئی تھی۔''

''کیسی غلطی....؟''

''نہ تم نصرت کا تعاقب کرتے ہوئے نذر پور ہاؤز تک پہنچتے اور نہ اسی وقت مجھے بھی دوڑ دوپ کرنی پڑتی....!''

''نصرت سے ان لوگوں کا کیا تعلق....!''

''نصرت کی بیوی.... خیر اس کی بیوی کے متعلق تو تم ہی کوئی خاص بات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔''

''اگر استاد کی اصلاح نے اجازت دی تو....'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا، وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''آپ کی دانست میں دس سال سے سر کے بل کھڑے ہوتے رہنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔''

''تم نے لکھن کی گفتگو سے اندازہ کیا ہوگا کہ وہ پاگل نہیں تھا۔''

''ضروری ہے کہ لکھن کا بیان صحیح ہو؟'' حمید نے پوچھا۔

''ضروری تو یہ بھی نہیں ہے کہ ہماری موجودہ بھاگ دوڑ بھی فیصلہ کن ہی ثابت ہو۔''

''نذر پور ہاؤز میں تو پرنس توقیر ہی رہتا ہے نا....!''

''ہاں....!'' فریدی نے اگلی کار پر نظریں جمادیں جس کی رفتار اب کم ہو گئی تھی، فریدی نے بھی لنکن کی رفتار کم کر دی۔

''اوہ.... وہ نذر پور ہاؤز کے پھاٹک ہی پر رکی ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ لنکن بھی رک چکی تھی۔ لیکن وہ اندھیرے میں تھے، فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

شاید لکھن چوکیدار سے پھاٹک کھولنے کو کہہ رہا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ اپنی گاڑی کو اندر ہی لیتا چلا گیا۔

''اب دوسری اطلاع سنو....!'' فریدی نے طویل سانس لی۔

''کیا....!''

''ہمارا بھی تعاقب ہو تا رہا ہے۔''

''نہیں....!'' حمید اچھل پڑا۔

"کیا تم لکھن پال کو احمق سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ اس کے بہتیرے دشمن ہیں، اسلئے وہ اپنے ساتھ دو چار نگراں بھی رکھتا ہے، جو دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں! اس وقت کلب میں بھی کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہا ہو گا۔"

"تو دوسروں گاڑی کہاں ہے۔"

"ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لیکن وہ بھی اسی طرح اندھیرے ہی میں روکی گئی ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے....!"

"ظاہر ہے کہ واپس چلیں گے! جو کچھ مجھے معلوم کرنا تھا، معلوم کر چکا۔ گفتگو ادھوری چھوڑ کر اسی لئے اٹھا تھا کہ اس کا ردعمل دیکھ سکوں؟ تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ اسے اسی وقت آگاہ کرنے دوڑا آیا ہے۔"

"تو گویا آپ نے خود ہی انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی اور لمبا چکر لے کر اُسے مخالف سمت میں موڑتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے خلاف اسی طرح ثبوت مہیا کئے جاتے ہیں جو اپنے کئے پر مطمئن ہوتے ہیں، جنہیں یقین ہو کہ پولیس کو ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکے گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لکھن اور توقیر جیسے معززین شہر معمولی مجرموں کی طرح پولیس سے بھاگیں گے۔ ان کے لئے تو یہی تدبیر بہتر ہوتی ہے کہ ڈھکے چھپے انداز میں ان پر شبہے کا اظہار کر کے بظاہر ان کی طرف سے لاپروائی برتی جائے۔ بس پھر یہ شبہے سے بالاتر ہونے کے لئے ایسی حرکتیں شروع کر دیں گے کہ ان کا جرم صبح کی طرح روشن ہو جائے گا۔"

"لیکن اتنی دیر میں تو اپنا بھی قیمہ ہو سکتا ہے۔"

"صبر کرو....اور دیکھو....!"

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ "میرا خیال ہے کہ ہمارا تعاقب اب بھی کیا جا رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس بار یہ محض تعاقب کی حد تک نہیں رہے گا۔ سنبھل کر بیٹھنا۔ بلکہ کھڑکیوں پر اسٹیل شیلڈ چڑھا دو تو بہتر ہے۔ اس بار تعاقب کرنے والے کسی مقصد کے تحت تعاقب کریں گے۔"

"کیوں....؟"

”پہلے شاید انہیں علم نہ رہا ہو کہ وہ کس کا تعاقب کر رہے ہیں۔“

”اوہ تو کیا وہ اتنے دلیر بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم پر فائر کریں۔“

”لکھن اور توقیر جیسے لوگوں کا معاملہ ہے، جو قانون کو کھلونا سمجھتے ہیں۔“

”کیا آپ ان سے مرعوب ہو گئے ہیں۔“

”میں صرف ان لوگوں سے مرعوب ہوتا ہوں، جو میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔“ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

حمید کھڑکیوں پر اسٹیل شیلڈ چڑھانے لگا۔ یہ فریدی ہی کی اپج تھی کہ اس نے لنکن کو مکمل طور پر بلٹ پروف بنادیا تھا۔

لیکن وہ صرف ایک خدشہ ہی ثابت ہوا، گاڑی پر فائر نہیں ہوئے اور صحیح و سلامت گھر تک پہنچ گئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ بھی محض شبہ ہی رہا ہو کہ دوبارہ تعاقب کیا جارہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی غیر متعلق آدمی کی گاڑی رہی ہو۔

بقیہ رات سکون کے ساتھ گذری۔ حمید دن چڑھے تک سوتا رہا تھا اور آنکھ کھلنے کے بعد بھی کافی دیر تک مسہری ہی پر پڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کس طرح استاد نصرت تک پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غزل یومیہ کے حساب سے اصلاح دینے پر رضامند نہ ہو۔ لیکن اس کی بیوی تو بہر حال حمید ہی کی طرفداری کرتی رہی تھی۔ ممکن ہے اس مرحلے پر بھی وہی کام آئے۔ لیکن پچھلی رات کا رویہ اس کی سمجھ میں ابھی نہیں آیا تھا.... یعنی نصرت کی موجودگی میں تو وہ اسے روکے ہی رکھنے پر مصر تھی، لیکن نصرت کے باہر جاتے ہی اتنی بے مروتی اور رکھائی سے چلے جانے کو کہا تھا جیسے وہ اتنی دیر سے کسی یتیم خانے کا چندہ طلب کرتا رہا ہو۔

وہ کراہتا ہوا مسہری سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی ناشتے کی میز پر پہنچ سکا۔ لیکن وہاں ناشتے کی بجائے موت کا گماشتہ موجود تھا۔

پیپر ویٹ کے نیچے ایک کاغذ نظر آیا جس پر تحریر تھا۔

”حمید.... پچھلی رات پرنس توقیر بھی قتل کر دیا گیا۔ میں نذر پور ہاؤز جا رہا ہوں۔ اٹھ کر سیدھے وہیں آؤ....!“

حمید نے اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مارتے ہوئے باورچی کو آواز دی۔ "ابے او اُلو کے پٹھے کیا میں خود کو ابال کر پی جاؤں.... چائے لاؤ۔"

دوسری عورت

پرنس توقیر نذر پور ہاؤز میں تنہا نہیں رہتا تھا۔ نوکروں کی فوج بھی تھی۔ لیکن صبح تک کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پرنس توقیر اپنی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا ہے، اسے روزانہ چھ بجے اس کا ایک ملازم جگایا کرتا تھا۔ آج وہ حسب معمول جگانے ہی آیا تھا۔ لیکن اس نے خواب گاہ کے دروازے کھلے پائے۔ فرش پر خون پھیلا ہوا تھا اور لاش بستر پر پڑی تھی۔

حمید اس وقت پہنچا جب فریدی ملازموں سے سوالات کر رہا تھا۔

"پچھلی رات کتنے آدمی یہاں آئے تھے؟"

"دو.... جناب...." چوکیدار نے جواب دیا۔

"دونوں کو تم پہچانتے ہو۔"

"جی نہیں پہلے صاحب کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ کوئی دس بجے آئے تھے اور صاحب انہیں پھاٹک تک پہنچانے آئے تھے۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"لکھن صاحب! وہ جن کا موٹروں کا کارخانہ ہے۔"

"ہوں.... وہ کس وقت واپس گئے تھے۔"

"بس آکر تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے تھے۔"

"وقت....!"

"صاحب گھڑی تو نہیں تھی پاس... پتہ نہیں ایک بجا تھا کہ ڈیڑھ... کہ دو... پتہ نہیں صاحب۔"

"تو انہیں بھی پرنس پھاٹک تک چھوڑنے آئے تھے۔"

"نہیں صاحب....!"

حمید وہاں سے ہٹ کر جائے واردات پر آیا۔ یہاں محکمہ سراغرسانی کے دو آفیسر بھی موجود

تھے۔ چونکہ وہ پرنس توقیر جیسے معزز آدمی کے قتل کا معاملہ تھا اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا دفتر ہی اٹھ کر یہیں چلا آیا ہو.... اس وقت فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر خواب گاہ میں نشانات کی تصاویر لے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بڑے آفیسروں کی بھیڑ میں وہ کہاں گھستا پھرتا۔ اس لئے وہ عمارت سے لان پر نکل آیا۔

یہاں ایک جگہ وہ سارے ملازمین اکٹھا تھے، جن سے فریدی پوچھ گچھ کر چکا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے طور پر ان سے سوالات کرے گا لیکن دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا، جو برآمدے میں کھڑا اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس نے قریب پہنچنے پر پوچھا۔

"میں یہاں مستقبل کی خیریت دریافت کر رہا ہوں۔ کیا آپ کا شبہ لکھن پر ہے۔"

"لکھن کے جانے کے بعد بھی وہ زندہ دیکھا گیا تھا۔"

"خیر.... تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"اس آدمی کو دیکھو! جو لکھن سے پہلے یہاں آیا تھا۔"

"صرف نگرانی یا اس سے پوچھ گچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"بہتر ہے کہ اسے نگرانی میں رکھو، میں بعد میں چیک کر لوں گا.... لیکن ادھر آؤ...." وہ ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر کمپاؤنڈ کے ایک ایسے گوشے میں رکا جہاں آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

"قریب آؤ....!" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور دو تصویریں نکالیں۔

"ایک ہی عورت کے دو مختلف پوز....!"

"اوہ.... یعنی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"پہچانتے ہو....!"

"کیوں نہیں.... یہ نصرت کی بیوی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں اب بھی حیرت باقی تھی۔

"ان میں سے ایک تو سر وحید کے البم سے برآمد ہوئی تھی، اور دوسری آج یہاں توقیر کی خواب گاہ میں ملی ہے۔"

"اوہ.... تو یہ عورت....!"

"رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے۔" فریدی نے تصویروں کو دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔ جگدیش اور امر سے کہو کہ وہ اس آدمی کی نگرانی کریں جس نے سعیدہ کی کوٹھی خریدی ہے۔"

"سعیدہ کی کوٹھی....!"

"ہاں تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ نصرت کی سوتیلی بھتیجی تھی۔"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ خیر میں کیا کروں گا....!"

"نصرت کی بیوی۔" فریدی نے کہا اور پھر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

"نصرت کی بیوی....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا اور پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔ اس نے اپنی کار پھاٹک کے باہر ہی چھوڑی تھی۔

مگر نصرت کی بیوی! وہ تو اسے پچھلی رات بھی بے حد پُر اسرار معلوم ہوئی تھی۔ اس وقت جب اس نے بڑی بے رخی سے اس کو رخصت کیا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے روکے رکھنے کے اصرار میں کافی گرم جوش تھی۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی ویسی عورت تھی تو شوہر کی موجودگی میں اس سے لاپروائی برتنی چاہئے تھی، چہ جائیکہ زبردستی روکے رکھنا اور شوہر کے جاتے ہی معنوی اعتبار سے گویا دھکے دے کر ہی نکال دینا ٹھہرا تھا۔ یہ بڑا حیرت انگیز جوڑا تھا.... ہر اعتبار سے.... پچھلی رات اس نے وہ کوٹھی دیکھی ہی تھی جس کے متعلق اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ نصرت ہی کی ملکیت تھی.... پھر وہ اس شاندار کوٹھی کی موجودگی میں اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور اس کی کار اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں نصرت رہتا تھا۔ اس نے کار بستی میں ہی چھوڑ دی اور وحید مینشن کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی ملاقات کے لئے کون سا بہانہ تراشے گا۔ نہ تو اصلاح کے لئے کوئی غزل ہی تھی اور نہ کاندھے پر ایئر گن۔

آج پھر سب سے پہلے نصرت کی بیوی ہی سے مڈبھیڑ ہوئی اور وہ اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے سوچا اگر اس نے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو کیا صورت ہوگی۔

"آپ کا خادم.... پرواز فاختی...." وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔

”نصرت صاحب آرام کررہے ہیں۔“ عورت نے سرد لہجے میں کہااور دوسری طرف مڑ گئی۔

”مطلع عرض کیا ہے....!“ حمید نے کھکار کر اسٹارٹ لینے کا ارادہ کیا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا.... جاؤ یہاں سے۔“ وہ جھلا کر مڑی۔

”کل تو آپ نے بڑا سہارا دیا تھا۔“ حمید ڈھٹائی سے بولا۔

”کیا مطلب....!“

”اگر آپ مدد نہ کرتیں تو میں اتنے بڑے شاعر کا شاگرد کبھی نہ بن سکتا۔“

”کبھی کبھی میرا ذہن بہک جاتا ہے۔“ عورت خشک لہجے میں بولی۔ ”میں ہمیشہ تفریح کے موڈ میں نہیں ہوتی۔“

”تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر رو بھی سکتا ہوں محترمہ.... آزمائش کر کے دیکھ لیجئے۔ میں صرف قہقہوں کا ساتھی نہیں ہوں۔“

”ہوں....!“ وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ ”مرد واقعی بالکل الو کے پٹھے ہوتے ہیں۔“

”اور ان کے عالم وجود میں آنے کے لئے الوؤں کا پورا جوڑا درکار ہوتا ہے اور یہ چیز یقینی طور پر تیسری جنگ عظیم کی طرف لے جائے گی۔“ حمید کا لہجہ تشویش کن تھا۔

وہ اسے غصیلے انداز میں دیکھتی رہی پھر یک بیک اس کے چہرے پر نرمی کے آثار آنے لگے اور اس نے کہا۔ ”مگر کل تم شاگرد بننے کیلئے تو نہیں آئے تھے اس کا خیال تو میں نے ہی دلایا تھا۔“

”مگر آپ نے خیال دلایا ہی کیوں تھا۔“

”محض یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کس قسم کے گدھے ہو۔ مگر سارے مرد ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ تم سمجھے تھے شاید میں تم پر ریجھ گئی ہوں۔“

”ذرا ریجھ کر دیکھئے بھی تو کیسی درگت بناتا ہوں۔“ حمید نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب....!“ اس بار عورت کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”ایک بار ایک لڑکی مجھ پر عاشق ہوئی تھی، آج تک روتی ہے سر پر ہاتھ رکھ کر۔“

عورت نے پلکیں جھپکائیں اور حمید نے کہا۔ ”میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس کی شادی کرادی، جو کانے ہیں اور ڈاڑھی بھی رکھتے ہیں۔“

”کیا بکواس شروع کی ہے تم نے جاؤ، یہاں سے ورنہ میں نصرت صاحب کو آواز دیتی ہوں۔“

"غزل میرے پاس موجود ہے۔"

وہ بڑی تیزی سے بر آمدے کی طرف روانہ ہو گئی.... لیکن اندر نہیں بلکہ بر آمدے ہی میں رک کر اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگی، جیسے دفعتاً کوئی چیز اس پر کھینچ مارے گی۔

حمید آہستہ آہستہ بر آمدے کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی، البتہ اب اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ضرور نظر آ رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں.... آپ مجھے....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ پاگلوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دفعتاً حمید کو یاد آ گیا کہ وہ خیالات کی رو میں بہکا ہوا ادھر چلا آیا ہے، حالانکہ یہاں آنے سے پہلے ہی اسے رمیش اور امر کو اس آدمی کی نگرانی پر لگانا چاہئے تھا پھر اگر یہاں پھنس گیا تو وہ اشد ضروری کام رہ ہی جائے گا۔

"آپ مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں محترمہ! اس طرح نہ ہنسئے۔" اس نے ڈری ڈری سی آواز میں کہا۔

لیکن اس کے قہقہے طویل ہی ہوتے گئے اور حمید سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے لگا، پھر یک بیک بھڑک کر بھاگا۔

"ارے.... ٹھہرو.... ٹھہرو....!" عورت ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی چیخی۔

لیکن حمید کو ٹھہرنا کب تھا۔ وہ باغ سے نکل آیا اور تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود ہی اس عمارت کی طرف جاتا، جہاں پچھلی رات نصرت کو دیکھا تھا۔ کیونکہ اتنی دیر میں کچھ تبدیلیاں بھی ہو سکتی تھیں۔ اس لئے وہ خود ہی دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی اب بھی اس عمارت میں موجود ہے یا نہیں۔

سعیدہ کی کوٹھی کے پھاٹک سے اس نے ایک ٹیکسی نکلتے دیکھی.... اور اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار کر کھڑی کر دی۔ پھاٹک سے نکل کر گاڑی پھر رک گئی اور وہ آدمی نیچے اتر کر پھاٹک کو مقفل کرنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس نے ٹیکسی کے ڈکے میں سوٹ کیس اور ہولڈال بھی دیکھ لئے تھے۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

"کہاں دوست....!" حمید مسکرایا۔

"کک.... کیوں....!" وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تمہیں چند سوالات کے جواب دینے ہیں۔"

"کیوں.... آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

"اوہ....!" وہ پھاٹک کی سلاخوں سے ٹک گیا۔

"تم پچھلی رات پرنس توقیر سے کس وقت ملے تھے۔"

"مم.... میں.... ساڑھے نو بجے.... شاید ساڑھے دس بجے.... مگر کیوں؟" وہ خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھاڑے حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"واپسی کب ہوئی تھی۔"

"وقت کا اندازہ مجھے نہیں ہے۔"

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو۔"

"کیوں....؟"

"سوال کا جواب دو۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"نصیر آباد....!"

"کیوں....؟ کیا نصرت کی بیوی سے عشق لڑانے کی اسکیم ختم کردی۔"

"کیا....؟" وہ پھر بوکھلا کر حمید کو گھورنے لگا.... لیکن یہ کیفیت دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔ شاید وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پتہ نہیں، آپ کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہیں۔" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ "ہٹ جایئے سامنے سے۔"

"پھاٹک کھولو....! ٹیکسی سے سامان نکالو اور اندر چلو۔" حمید نے سرد لہجے میں اسے حکم دیا۔

"آخر کیوں....!"

"پرنس توقیر قتل کردیا گیا۔ اس لئے ہم ہر اس آدمی کو چیک کر رہے ہیں جو پچھلی رات اس سے ملا تھا۔"

ایک بار پھر وہ پھاٹک کی سلاخوں سے جا لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑے رہنے کی قوت

جواب دے رہی ہو۔

حمید نے اس کا سامان ٹیکسی سے اتروالیا اور پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر اس کے پاس اتنا مواد تھا کہ وہ اپنی دانست میں کرنل فریدی کو بھی متحیر کر سکتا۔

اس کی کہانی سن لینے کے بعد اس نے اسے قطعی طور پر حراست میں لے لیا۔ اس کی دانست میں اب چھوٹ دے کر نگرانی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

شام کو فریدی سے گھر پر ہی ملاقات ہوئی اور وہ اپنے کارناموں کا دفتر لے بیٹھا۔ فریدی نے نعیم کی کہانی سنی اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر میں نے تو تم سے نگرانی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا میں ان کی نگرانی کرتا ہوا نصیر آباد تک چلا جاتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"نہیں بس اسے روک لینا ہی کافی تھا۔ حوالات میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

حمید کچھ کہنے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ جھلاہٹ کے باوجود وہ اس گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ نعیم کی کہانی خواہ ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت کی وجہ سے بکواس ہی کیوں نہ رہی ہو لیکن سر وحید کی الٹی تصویر کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یا اگر نعیم کی کہانی من گھڑت ہی تھی تو اسے کسی ایسی تصویر کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی وجہ سے اس کے خلاف شبہات کو مزید تقویت پہنچ سکے۔ ظاہر ہے اس کے بیان پر ہی پولیس اسے ٹوک سکتی تھی کہ ایسی ایک چیز سامنے آنے کے باوجود بھی اس نے پولیس سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ لہٰذا وہ کہانی ایسی نہیں ہو سکتی، جسے نعیم نے اپنے چھٹکارے کے لئے گھڑا ہو۔"

"اس کہانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"دوسری بار سنی ہے.... " فریدی نے لاپرائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب.... یعنی کہ آپ.... اسے پہلے ہی چیک کر چکے تھے۔"

"قطعی نہیں.... میں نے تو ابھی تک نعیم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"پھر کیسے معلوم ہوا آپ کو۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا، پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سعیدہ کی روح تھی۔"

"میں نے یہ کب کہا ہے۔"

"تو پھر کسی عورت ہی نے اس کی روح کا رول ادا کیا ہوگا اور اس طرح نعیم کی کہانی کوئی عورت بھی سنا سکتی ہے۔"

"اوہ....!" حمید نے پلکیں جھپکائیں، چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کون تھی۔"

شاید وہ مسز نصرت کے امکانات پر غور کر رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی چکرا دینے والے کیس اس کے سامنے آئے تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر ان سے مختلف نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

"ایک عورت جو خود بخود سامنے آئی ہے جس کی وجہ غالباً خوف ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیسا خوف....!"

"اسے پرنس توقیر نے ڈاکٹر سعیدہ کا رول ادا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہاں کیس الجھ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "وہ ایک ایسی عورت ہے جسے سر وحید سے دشمنی تھی۔ پرنس توقیر اس سے دوستی رکھتا تھا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ سر وحید نے اسے بھی چند نقصانات پہنچائے تھے، لہٰذا وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ یہی چیز اسے آمادہ بھی کر سکی ورنہ ایسے کسی ڈرامے میں حصہ لینے پر تیار نہ ہوتی۔ غالباً سر وحید کی تصویر کی موجودگی کا بھی یہی مطلب تھا کہ اسے پرنس توقیر کے بیان پر یقین آجائے۔ لیکن تصویر الٹی لٹکائی گئی تھی جس کی وجہ پرنس نے اسے نہ بتا کر عقلمندی سے کام لیا تھا۔ یعنی اس طرح اس عورت کو یقین دلا دیا تھا کہ سر وحید کو کسی بڑے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن وہ ابھی ہر معاملے کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ الٹی تصویر کا کیا مطلب ہے۔ نعیم کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سر وحید کا ایجنٹ ہے، جسے اس نے محض اسے نقصان پہنچانے کے لئے انگیج کیا ہے۔"

"حالانکہ وہ اپنے متعلق دوسری کہانی سناتا ہے۔"

"کہانیوں کو بھلا دو اور صرف مقصد پر غور کرو۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس عورت نے دو دن بعد سر وحید کی موت کی خبر سنی اور بوکھلا گئی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ پولیس کو مطلع کر سکتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ڈرامے کا مقصد سر وحید کی موت ہوگا۔ پرنس توقیر نے تو اسے یہی بتایا تھا کہ وہ سر وحید کو صرف مالی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اگر

اسے اس انجام کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ کبھی توقیر کی باتوں میں نہ آتی.... آج وہ پرنس توقیر سے ملنے آئی تھی۔ جب اس کے قتل کا علم ہوا تو بدحواس ہو گئی۔ اس طرح اتفاقاً وہ سامنے آئی ورنہ اسے تلاش کر لینا تو بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ وہ کوئی اہم شخصیت نہیں ہے۔ ہوٹلوں کی نشستیں ہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔"

"تو پھر الٹی تصویر کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ اس عورت کو اس ڈرامے میں حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔"

"فی الحال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوچنے لگا کہ پھر نصرت اور نصرت کی بیوی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔ پرنس توقیر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کیوں خریدنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقعات کی روشنی میں اس ڈرامے کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ وہ خود نصرت کے سامنے آئے بغیر نعیم کے ذریعہ کوٹھی خرید لے۔

چڑچڑا شاعر

حمید کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ کیا حقیقتاً مقصد صرف اس کوٹھی کی خریداری تھی؟ پھر پرنس توقیر نے نعیم کو نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی ہدایت کیوں دی تھی اور اس کی خواب گاہ سے نصرت کی بیوی کی تصویر برآمد ہونے کا کیا مطلب تھا؟ سر وحید کے یہاں بھی اس کی تصویر ملی تھی.... لیکن ان دونوں کا قاتل کون تھا.... کون تھا؟.... اوہ.... وہ یک بیک اچھل پڑا۔

"ہوں....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"نصرت....!"

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نصرت ہی پر ٹوٹ پڑو گے.... کیونکہ ان دونوں کے پاس اس کی بیوی کی تصویریں تھیں....!"

"کیا میرا خیال غلط ہے۔"

"ابھی صحیح اور غلط کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرنا باقی ہے۔"

"کون سے پہلو....!"

"چلو! فی الحال اسے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ دونوں ہی اس کی بیوی پر نظر رکھتے تھے۔ اس لئے اس نے انہیں قتل کر دیا۔ لیکن وہ کوئی پردہ نشین عورت نہیں ہے جسے دیکھنے کے لئے سر وحید سر کے بل کھڑے ہو کر جھانکنے کی زحمت مول لیتا۔ اگر محض دیکھنے ہی کی بات تھی تو وہ اسے بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔"

"میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نصرت کے پاس ایک بے آواز رائفل بھی ہے۔"

"ہاں.... آں.... رائفل بھی ہے میرے ذہن میں۔ لیکن پہلے مجھے دیکھنے دو کہ توقیر نے وہ عمارت کیوں خریدی تھی اور نصرت کیوں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو عمارت کی فروختگی کا علم ہو سکے۔ تمہاری کہانی کے مطابق اس نے نعیم کو اس پر تو آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اس کی بیوی کو اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلا دے.... کہہ دے کہ وہ خریدنا تو چاہتا تھا لیکن بعض قانونی دشواریوں کی بناء پر وہ عمارت فی الحال بیچی نہیں جا سکتی۔ اس سے پہلے نصرت نے اپنی بیوی سے تمہارے سامنے ہی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس تھی۔ اس لئے فروخت کر دی گئی۔ جب بیوی نے بہت زیادہ اودھم مچایا تو اسے کہنا پڑا کہ وہ اسی رقم سے دوسری کوئی عمارت خرید لے گا.... لیکن وہ حقیقتاً ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اگر یہی نیت ہوتی تو پھر نعیم کو یہ سمجھانے کیوں دوڑا جاتا کہ وہ اس کے گھر آ کر بیوی کو یقین دلائے کہ عمارت فروخت نہیں ہو سکی۔ اس لئے وہ بحیثیت کرایہ دار ہی اس میں مقیم رہنا چاہتا ہے.... اور پھر نعیم اس کی اطلاع پرنس توقیر کو دینے کے لئے دوڑا جاتا ہے.... اور پرنس توقیر اس سے کہتا ہے کہ وہ ضرور نصرت کے گھر جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے.... اگر یہ عشق کا چکر ہے تو بتایئے حمید صاحب کیا آپ نے کبھی کسی دوسرے کی معرفت عشق فرمانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں اتنا عدیم الفرصت نہیں رہتا۔" حمید بولا۔ "لیکن.... لیکن.... اب کیا کہوں! تو پھر آپ کا خیال یہ ہے کہ کوئی تیسرا آدمی بھی اس سے عشق کرتا تھا جس نے ان دونوں کو ختم کرا دیا۔ کر دیا۔"

"ارے تو یہ عشق کیوں سوار ہو گیا ہے تم پر.... ڈفر کہیں کے.... اگر کوئی تیسرا آدمی عشق

کے چکر میں ہوتا تو سب سے پہلے وہ نصرت کو ختم کرتا نہ کہ ان دونوں کو۔"

"ختم کیجئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اب شاید سر کے بل ہی کھڑے ہو کر سوچنا پڑے گا۔"

فریدی جو بجھا ہوا سگار سلگا چکا تھا آہستہ آہستہ دھواں نکالتا ہوا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ.... مگر.... لکھن پال۔ آپ نے اسے چیک کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"چوکیدار نے اسے تنہا واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے جانے کے بعد بھی توقیر زندہ دیکھا گیا تھا۔ اس لئے فوری طور پر اس کے بیان پر یقین کیا جاسکتا ہے۔"

"کس کے بیان پر....!"

"لکھن کے بیان پر.... اس نے خود ہی مجھے بتایا ہے کہ وہ توقیر کو اس کی اطلاع دینے گیا تھا کہ پولیس سر وحید کے سلسلے میں اس پر بھی نظر رکھتی ہے۔ جس کا جواب توقیر نے یہ دیا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس لئے اسے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن کسی نے اسے بھی قتل کر دیا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا چلئے لکھن کو واپس جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور کسی ملازم نے اس کے جانے کے بعد بھی توقیر کو زندہ دیکھا تھا۔ لیکن کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ یا تو دوبارہ واپس آیا ہو یا اس کے کسی آدمی ہی نے اسے قتل کر دیا ہو۔"

"ممکن ہے! لیکن اسی صورت میں جب اسے ثابت کر دیا جائے۔ عدالت محض امکانات پر غور نہیں کرتی۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔

مگر کسی مسئلے سے لاپروائی ظاہر کرنے سے اُسی وقت کام چلتا ہے جب ذہن بھی اس پر آمادہ ہو.... حمید اس مسئلے کو اپنے ذہن سے نہ نکال سکا۔ آخر نصرت اور اس کی بیوی کا ان معاملات سے کیا تعلق تھا۔ نصرت نے سر وحید کے قتل سے پہلے اس کے محکمے کو اطلاع دی تھی کہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے.... کچھ لوگ چھیڑ چھیڑ کر اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا یہ پیش بندی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ توقیر نے بھی اس عمارت کی خریداری ہی کے سہارے اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہو اور اسے اس کا علم ہو گیا ہو.... اور اس نے اسے قتل....!

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور حمید دروازے میں رک کر مڑا۔

"نصرت اور اس کی بیوی پر نظر رکھو.... ویسے میں نے اور بھی انتظامات کر دیئے ہیں کہ وہ اس طرح قتل نہ ہونے پائیں۔ لیکن تمہیں خاص طور پر ہدایت دی جاتی ہے۔"

"خدا کی پناہ.... اب وہ بھی قتل کر دیئے جائیں گے۔"

"غالباً قاتل نے بھنگ پی لی ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔"یا پھر میں خود ہی یہ سوچتے سوچتے عنقریب پاگل ہو جاؤں گا کہ ہم دونوں اب تک کیوں زندہ ہیں۔"

فریدی مسکرایا اور سگار کو ایش ٹرے پر رکھتا ہوا بولا۔"تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ نصرت ہی ان دونوں کا قاتل ہے۔ اس لئے اب تمہارا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم نے نعیم سے اپنی گفتگو کے متعلق بتایا تھا لیکن خود اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی....!"

"کس پہلو پر میں نے غور نہیں کیا۔"

"نصرت نعیم سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر آؤ.... اور میری بیوی کو یقین دلادو کہ تم صرف کرایہ دار ہو، کسی دشواری کی بناء پر عمارت کو خرید نہیں سکے۔ نعیم اس کی یہ انوکھی تجویز پرنس توقیر کے سامنے دہراتا ہے.... پھر پرنس کیا کہتا ہے اس سے۔"

"یہی کہ نعیم وہاں ضرور جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔ نعیم نروس ہو جاتا ہے۔ پھر پرنس توقیر اس سے کہتا ہے کہ وہ نصرت کی موجودگی میں تو اس سے یہی کہے کہ وہ صرف کرایہ دار کی حیثیت سے اس عمارت میں مقیم ہے۔ لیکن نصرت کی عدم موجودگی میں کسی نہ کسی طرح اسے بتادے کہ اس نے پوری رقم ادا کر کے عمارت خرید لی ہے۔ مگر نصرت نہیں چاہتا کہ بیوی کو اس کا علم ہو۔ اس لئے اس نے اسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے۔"

"ہوں تو.... تم اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں نتیجہ مجھ پر ہی نہ پہنچ جائے۔"

"بیٹھ جاؤ.... میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت زیادہ الجھ گئے ہو۔ وہ صرف اس کا کھنڈر والا مکان خالی کرانا چاہتے ہیں۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ابھی کیسے کہا جا سکتا ہے....؟" حمید دوبارہ بیٹھتا ہوا ایش

ٹرے میں پائپ خالی کرنے لگا۔

"اگر یہ عشق کی کہانی ہے تو.....!"

"ایک منٹ ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ مقصد کھنڈر والا مکان خالی کرانا ہے۔ کیا صرف اتنا ہی مقصد نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے درمیان ناچاکی ہو جائے اور اس ناچاکی کا اختتام علیحدگی پر ہو۔"

"ہوں.... اوں.... ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ "اس طرح تو عشق کی کہانی ثابت ہو جاتی ہے۔ واہ بھئی دور کی کوڑی لائے ہو۔ یعنی دوسری عمارت میں منتقل ہونے کا قضیہ اتنا بڑھ سکتا ہے کہ نوبت طلاق کی آجائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے....؟ لیکن توقیر کو کس نے قتل کر دیا۔"

"نصرت نے....یا کسی تیسرے عاشق نے۔"

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم عاشقوں کی ایک فہرست مرتب کر لیتے.... مگر حمید صاحب یہ نہ بھولئے کہ اتنے عاشق رکھنے والی ایک ایسے بوڑھے کو پسند کرتی ہے، جو اس کی خواہشات بھی نہیں پوری کر سکتا۔ اسے فریب دیتا رہتا ہے، اور وہ کوئی ایسی عورت بھی نہیں ہے جو شادی کے معاملے میں والدین کی مرضی کی پابند رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک الٹرا موڈرن قسم کی عورت ہے۔"

"مگر پہلے تو آپ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ غیر صحت مند صنفی رجحان کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہتیری عورتیں بوڑھے مردوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"خیالات حالات کے پابند ہیں۔ کسی بھی معاملے میں جیسے جیسے اس سے متعلق نئے حالات سامنے آتے ہیں خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی میرا ایک خیال کسی لاعلمی پر مبنی ہے لیکن کچھ دیر بعد کسی چیز کا علم ہو جانے پر اسی خیال کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔ ذرا یہ تو سوچو کہ سر وحید بھی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے عشق کرتا تھا اگر چاہتا تو اسے شہر میں اس کے لئے دس شاندار عمارتیں خرید لیتا۔ پھر اس نے نصرت ہی کو کیوں منتخب کیا، جو ایک کھنڈر نما عمارت میں رہتا تھا۔ وہ بظاہر دولت مند بھی نہیں ہے....!"

"ارے تو پھر میں کس کی گردن کے لئے پھندا تیار کروں۔" حمید نے زچ ہو کر کہا۔

"ابھی نہیں! پھندا بعد کی چیز ہے۔ پہلے کسی طرح نصرت سے وہ مکان خالی کرانا چاہئے۔"

"ہم مکان خالی کرائیں گے...." حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ وہ آخر اس کھنڈر سے کیوں چمٹا ہوا ہے۔"

"اس کی وجہ کنجوسی بھی ہو سکتی ہے جناب۔"

"چلو بھئی! فی الحال ایک تجربہ کرنا ہے۔ ذہن کو زیادہ نہ الجھاؤ، ورنہ پھر عشق پر آکر گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔"

"ایک تدبیر سمجھ میں آرہی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرائی۔

"کیا....؟"

"اب میں بھی اس کی تصویر رکھنا شروع کر دوں؟"

"لیکن شاید تمہیں قتل ہونے کی سعادت نہ نصیب ہو سکے۔"

"ٹھہریئے.... آپ نے لکھن سے بھی تو گفتگو کی تھی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا، "جس کا ماحصل یہ تھا کہ سر وحید، لکھن اور پرنس توقیر کبھی دوست بھی تھے۔"

"ہاں.... تھے! چوتھا بھی تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "جس کا تذکرہ میں نے مصلحتاً نہیں کیا تھا۔ لیکن لکھن کو وہ ضرور یاد آیا ہوگا۔ البتہ اگر میں تمہارے سامنے اس کا نام دہرا دوں تو تم پر پھر عشق اور رقابت کی کہانی سوار ہو جائے گی۔"

"کون.... نصرت....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے جب شاید نصرت کی بیوی پیدا بھی نہ ہوئی ہو۔"

"ہت تیری کی....!" حمید پھر مضمحل ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ کو اتنی پرانی بات کیسے معلوم ہو گئی۔"

"سر وحید کے قتل کے بعد اس کی پچھلی زندگی کے متعلق چھان بین کرنی ہی پڑی تھی۔ ان چاروں کی دوستی کے دور کا ایک اہم واقعہ سامنے آیا۔ ایک رات کا واقعہ جب چاروں نے جی کھول کر فائرنگ کی تھی اور سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"کیا آپس ہی میں گولیاں چلی تھیں۔"

"ہاں.... اور پولیس کو رپورٹ دی گئی تھی کہ وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ وہ سمجھے تھے شاید

ان پر لٹیروں نے حملہ کر دیا ہے۔ تار جام والی سڑک بن رہی تھی اس زمانے میں سر وحید کے پاس اسی کا ٹھیکہ تھا اور یہ چاروں جنگل میں خیمے لگا کر رہتے تھے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے غلط رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو... کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ چاروں کو بیک وقت فرنجک ہو گئی ہو گی۔"

"خدا جانے.... اب کھوپڑی کام نہیں کرتی۔ میں آج جلد ہی سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ حمید اپنے کمرے میں جانے سے پہلے لائبریری میں آیا اور ٹیلی فون ڈائریکٹری میں لکھن پال کا پتہ تلاش کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی نے ابھی تک اسے اس کیس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔

فریدی عموماً اسے اتنے ہی حالات سے باخبر رکھتا تھا جتنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی اس عادت کی بناء پر بعض اوقات حمید یہاں تک سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ شاید وہ اس پر بھی پوری طرح اعتماد نہیں کرتا۔

اس نے لکھن کا پتہ ڈائریکٹری میں تلاش کر لیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے طور پر اس سے گفتگو کرے گا۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے اسے اسکے متعلق احتیاط برتنے کی ہدایت بھی نہیں دی تھی۔

لائبریری سے نکلا ہی تھا کہ راہداری کے قریب فریدی نظر آیا۔

"ہوں.... تو آؤ...." اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کا منتظر ہی رہا ہو۔

"کہاں آؤں....!"

"نصرت سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں....!"

"مگر.... میں تو....!"

"فکر مت کرو.... وہ تم سے غزل سنانے کی فرمائش نہیں کرے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ جائے.... خیر آؤ۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں پیر پٹخ کر بولا۔ "کبھی ایئر گن لے کر جاؤ کبھی جھنجھنا بجاتے دوڑے جاؤ۔ کبھی میرے ساتھ چلو۔"

"ہاں ہاں.... آؤ.... آؤ...." وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ دیر کرنے سے کوئی تیسرا حادثہ ہو جائے۔“

حمید نے سوچا تھا کہ کچھ دیر دن بھر کی تھکن اتارے گا۔ پھر ہو سکتا تھا کہ ہائی سرکل کلب میں لکھن سے ملاقات ہو جاتی۔ لیکن ”مرگ مفاجات“ سے کہاں چھٹکارہ۔ گھسٹنا ہی پڑا۔ جھلاہٹ میں وہ فریدی کے پاس بیٹھنے کی بجائے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔

راستے بھر ان کے درمیان کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں ہوئی۔

نصرت کے بے ترتیب پائیں باغ پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ کار سے اتر کر باغ میں داخل ہوتے وقت فریدی کو ٹارچ روشن کرنی پڑی۔ شکستہ عمارت کا بیرونی برآمدہ بھی تاریک تھا۔ البتہ کھڑکیوں اور دروازوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

فریدی نے صدر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے شاید نصرت کی بیوی ہی نے جواب دیا تھا۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔

”کون ہے....؟“ آواز آئی.... حمید نے سوچا کہ یہ عورت چوبیسوں گھنٹے اسی کھنڈر میں گذارتی ہے۔

فریدی نے اسے اپنا نام اور عہدہ بتایا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ لیکن جیسے ہی حمید کے چہرے پر روشنی پڑی مسز نصرت کی آنکھوں سے جھنجھلاہٹ جھانکنے لگی۔

”اس کا کیا مطلب....!“ اس نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”کیا اب سچ مچ مجھے پولیس ہی کو طلب کرنا پڑے گا۔“

”پولیس تو یوں بھی آپکی خادم ہی ہے محترمہ...!“ حمید بولا۔ ”بغیر طلب کئے ہی پہنچ گئی۔“

”میں مسٹر نصرت سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ براہِ کرم میرا کارڈ ان تک پہنچائیں گی۔“

فریدی نے کہا اور اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح متوجہ ہوئی کہ حمید کباب ہو کر رہ گیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت اور بے جان ہو کر رہ گئی ہو۔

”کارڈ محترمہ....!“ فریدی کی آواز برآمدے میں گونجی اور وہ اس کے ہاتھ سے کارڈ لے کر کچھ کہے بغیر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

حمید بھی خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی بجائے نصرت راہداری میں نظر آیا وہ تیزی سے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

"تف فرمائیے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر رکتے ہوئے کہا اور پھر حمید کو گھورنے لگا۔

"اوہ.... یہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... مگر.... مگر.... دیکھئے میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔ آخر اس کی وجہ۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اس بار آپ کی سالانہ یاد دہانی میری نظروں سے بھی گذری تھی، نصرت صاحب!" فریدی بولا۔"اور اس کے ساتھ ہی وہ نئی رپورٹ بھی کہ کچھ لوگ آپ سے جھگڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"آپ مجھے اب بھی اپنا شاگرد ہی سمجھئے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے آپ لوگ مجھ سے براہِ راست کوئی گفتگو کر سکیں۔" نصرت نے کہا۔"میں اپنی رپورٹ میں بھی یہی کہہ چکا ہوں کہ جھگڑا کرنے والے میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"کیا آپ اخلاقاً بھی ہم سے بیٹھنے کو نہ کہیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آیئے....!" بوڑھا بُرا سا منہ بنائے ہوئے مڑ گیا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لایا جس میں بہت پرانا فرنیچر نظر آ رہا تھا۔

کمرے کی فضا بھی کچھ گھٹی گھٹی سی تھی اور وہاں اسی قسم کی بو گونج رہی تھی جیسے باورچی خانہ قریب ہی ہو۔

"تشریف رکھئے....!" نصرت بے دلی سے بولا۔

"آپ تو وحید مینشن کے پچھواڑے ہی رہتے ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ابھی کچھ دن ہی پہلے میں یہاں آیا تھا.... عجیب کیس ہے یہ بھی.... بے سر وپا۔"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ میرا سونے کا وقت ہے۔"

"میں صرف یہ بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ سر وحید سر کے بل کھڑے ہو کر آپ کے گھر میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا بکواس ہے۔" نصرت نے آنکھیں نکالیں۔

"اور میرا خیال ہے کہ ٹھیک باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔"

”کیا میں اُلو ہوں۔“ نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

”جی ہاں اور میں آپ کا شاگرد ہوں۔“ حمید جلدی سے بول پڑا۔

”آپ جا سکتے ہیں۔“ وہ کھڑا ہو کر دہاڑا۔

”اوہ.... آپ پتہ نہیں کیا سمجھے۔“ فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔ ”ایک بات اور بھی ہے۔ اس وقت مجھے وہ چاروں دوست یاد آرہے ہیں جنہوں نے رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے پر گولیاں برسائی تھیں۔“

نصرت دھب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں اپنے رویے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کھڑکی میں

حمید نے سوچا کہ بس اب سنسنی خیزی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ شاید ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا فریدی کی جیب ہی میں موجود ہو۔ بارہا ایسے واقعات پیش آئے تھے، جب حمید یہ سمجھا تھا کہ وہ صرف ایک معمولی سی تفتیش میں حصہ لے رہا ہے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اصل مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں۔

اس نے پھر نصرت کی طرف دیکھا جو کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔“ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

”میں نہیں سمجھا کہ آپ کا اشارہ کس واقعہ کی طرف ہے۔“

”یہ اس زمانے کی بات ہے جب تار جام والی سڑک بن رہی تھی۔“

”اوہو.... اچھا....!“ بوڑھا ہنس پڑا۔ ”بڑی پرانی بات یاد کی ہے آپ نے.... ہاں ایک رات ہم چار آدمیوں نے محض غلط فہمی کی بناء پر ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی اور ان میں سے ایک زخمی ہو گیا تھا۔ ہم سمجھے تھے شاید ہم پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے۔“

”پھر بھی شروعات کے لئے تو کوئی واقعہ ہی ذمہ دار ہوگا.... کیا ہوا تھا۔“

"ذرا ٹھہریئے.....!" بوڑھا آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں ابھی آپ نے ایک مضحکہ خیز بات کہی تھی کہ سر وحید کے سر کے بل کھڑے ہو کر میرے باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔ کیا آپ نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ چار آدمیوں کی وہ جنگ کس طرح شروع ہوئی تھی۔"

"مجھے تفصیل یاد نہیں۔ بہت پرانی بات ہے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"آپ کی گولی سے.....!"

"میں سمجھا..... شاید آپ اس کا قتل میرے سر منڈھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میری بات کا جواب دیجئے۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ کیا خود سر وحید نے کسی کے خلاف شبہ بھی ظاہر کیا تھا؟"

"یہی تو دشواری ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "روزانہ تین بجے آپ کہاں ہوتے ہیں۔"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بس یہ صرف ایک سوال ہے۔"

"میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ریٹائرڈ ہو چکا ہوں بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جاتا۔"

"باورچی خانے میں اس وقت کون ہوتا ہے۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" نصرت غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ایک موقعہ کا شعر یاد آ رہا ہے استاد۔" حمید بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"مگر بعض باتیں موقعے کے شعر سے بھی زیادہ اہم ہیں استاد۔" حمید نے کہا اور نصرت اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"بیٹھ جایئے مسٹر نصرت آپ مشکلات میں پھنس گئے ہیں۔ آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی پڑے گی، اب تک دو آدمی مر چکے ہیں۔"

"کون دو آدمی....؟ کیا مطلب....!"

"پہلا سر وحید اور دوسرا وہ جو آپ کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا کرنل....!"

"یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان چاروں میں سے دو آدمی ختم ہو چکے ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی۔"

"دوسرا کون ہے....؟" نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پرنس توقیر....!"

"اوہ.... میرے خدا....؟ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں....؟"

"میں فی الحال کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کس نے خریدی ہے؟"

"کک.... کیوں....؟"

"آپ الٹا مجھ ہی سے سوال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ بُری عادت ہے۔"

"نعیم نامی ایک صاحب نے خریدی ہے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ عمارت آپ فروخت کر چکے ہیں۔"

"کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں آپ! مجھے یقین کیوں نہ ہوگا جب کہ میں نے خود ہی....!"

"کیا آپ یہی بات محترمہ کے سامنے دہرا سکیں گے۔"

"میں نے سمجھ سکتا۔" نصرت میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"آپ صرف مطلع اور مقطع سمجھ سکتے ہیں استاد۔" حمید نے کہا۔ "درمیانی اشعار سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے تو بہتر ہے.... یہ ہمارا کام ہے۔"

"میں گذارش کروں گا کہ آپ لوگ تشریف لے جایئے! ورنہ میں ابھی کمشنر کو فون کرتا ہوں۔" نصرت پھر بھڑک اٹھا۔ فریدی مسکرا رہا تھا وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"اچھا چلئے میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ نعیم صرف کرایہ دار ہے۔ مگر میرے تسلیم کر لینے سے کیا ہوگا۔ مطمئن تو مسز نصرت کو کرنا ہے۔ اوہ.... بات خواہ مخواہ لمبی ہوتی جارہی ہے، میں تو آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ اب نعیم کوئی گڑبڑ نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اسے حوالات میں ڈال دیا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

حمید بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔ دفعتاً نصرت نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ٹھہرئیے۔ نعیم کو آپ نے کیوں گرفتار کیا ہے اور کس گڑبڑ کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔"

"کچھ نہیں! شکر کیجئے کہ اسے موقع ہی نہ مل سکا! ورنہ آپ اس وقت اتنے پر سکون نظر نہ آتے اور محترمہ کا غصہ تو شاید آتش فشانوں کے منہ بھی پھیر دیتا۔"

"کیا آپ مجھے پاگل بنا دینے کا تہیہ کر کے آئے ہیں۔" نصرت اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر اندھیرے میں گھورتا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔

"ہم تہیہ کر کے آئے ہیں کہ صرف غیر طرحی سنائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"یا تو آپ لوگ صاف صاف گفتگو کیجئے یا میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ میں سس پنس میں رہنے کا عادی نہیں ہوں.... اس سے مجھ پر ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ تو صرف اس کھنڈر میں رہنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ کو کسی قسم کے بھی اٹیک کا خدشہ نہیں ہے۔"

نصرت کے ہونٹ پھیل گئے۔ لیکن یہ مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔

"خیر ختم کیجئے۔" فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر کہا۔ "فروخت سے کچھ دن قبل ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی کس کے پاس تھی۔"

نصرت نے فوراً ہی جواب نہیں دیا لیکن انداز سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مکانوں کے ایک دلال کے پاس۔"

"تو آپ پہلے ہی سے اسے فروخت کر دینے کی فکر میں تھے۔"

"ہاں! لیکن کوئی گاہک نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کوٹھی منحوس مشہور ہے۔"

"پھر گاہک مل گیا۔ آپ نے بیگم صاحبہ کو بتایا.... لیکن پھر نہ جانے کیوں آپ نے گاہک سے یہ خواہش ظاہر کی کہ بیگم صاحبہ کو فروختگی کا علم نہ ہونے پائے اس سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کو

اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلائے....؟"

"میں کہتا ہوں.... یہ قطعی نجی معاملات ہیں، ان سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔" بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔

"قطعی نہ ہونا چاہئے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر بعض اوقات آدمی حالات سے مجبور ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کا یہ قطعی نجی معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ کیونکہ نعیم کے آقا نے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ آپ کی موجودگی میں تو آپ کے بیان کی تائید کر دے لیکن علیحدگی میں بیگم صاحبہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ آپ جھوٹے ہیں۔"

"نہیں...." نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اس کا آقا.... اس کا آقا! میں نہیں سمجھا۔"

"اوہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عمارت نعیم نے خریدی تھی۔"

"پھر کس نے خریدی تھی....!"

"پرنس توقیر نے....!"

حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک بوڑھے کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو۔ اس نے اسے غور سے دیکھا مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پھر معمول پر آ گیا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ توقیر کی اس حرکت کا کیا مطلب تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"مجھے پہلے ہی علم تھا کہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ جو عمارت ہی کے کسی گوشے سے ابھری تھی۔ وہ چونک پڑے اور بوڑھا دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "اوہ سلیمہ کو کیا ہوا۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ نہ اسکے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور نہ یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بوڑھے کے پیچھے جائے گا۔

دفعتاً کھنڈر کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے آواز آئی۔ "سنئے۔"

آواز کسی عورت کی تھی۔ "سنایئے!" فریدی نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

"میں سلیمہ ہوں! نصرت کی بیوی۔ خدارا کسی طرح اس کھنڈر سے نجات دلایئے، ورنہ میں یہیں سسک سسک کر مر جاؤں گی۔"

"کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ سایہ کھڑکی کے پاس سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر فریدی کی طرف مڑا جس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ اسی وقت نصرت پھر کمرے میں داخل ہوا وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"وہ پتہ.... نہیں.... کہاں ہے.... میری مدد کیجئے۔" وہ رک رک کر بولا۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔ لیکن حمید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی یہاں وقت کیوں ضائع کر رہا ہے۔

اچانک قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نصرت کی بیوی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"یہ کیسی چیخ تھی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں باتھ روم میں تھی۔ کون تھی وہ۔"

"تم نہیں تھیں۔" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔

"میں کیوں ہوتی۔"

"مگر آواز تو تمہاری ہی جیسی تھی۔"

"خدا کی پناہ.... میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ ہرگز نہیں رہوں گی۔"

"خاموش رہو۔" نصرت بپھر گیا۔

"ارے نہیں استاد میں رجز سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ خاموش رہئے۔" نصرت اس پر الٹ پڑا۔

"وقت نہ ضائع کیجئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یہ چیخ کیسی تھی۔"

"میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔" نصرت نے ہاتھ ہلا کر کہا، پھر بیوی سے بولا۔ "اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں تو کہیں اور انتظام کر لو۔ میں یہیں رہوں گا۔"

"یہ کتنی بے تکی بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" نصرت کی بیوی نے آنکھیں نکالیں۔ "ہاں تم سے کہہ رہا ہوں؟ کان کھول کر سن لو۔ یا مجھے قطعی طور پر چھوڑ دو۔ یا میری مرضی کے مطابق رہو۔"

"آپ سب کے سامنے میری توہین کر رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"نہیں میں صاف طور پر گفتگو کر رہا ہوں۔ مجھے اپنے اجداد کے اس کھنڈر سے پیار ہے۔ میں یہیں مرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک کرسی کی پشت گاہ پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

''آپ کو کچھ اور پوچھنا ہے؟'' نصرت نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب شکریہ۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب ہمیں مجبوراً خود ہی آپ کے وکیل کو ڈھونڈھ نکالنا پڑے گا تاکہ سالانہ یاددہانیوں کا مسئلہ حل ہو سکے۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔''

''مجھے کون روکے گا۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''آپ از روئے قانون میرے وکیل کو مجبور نہیں کر سکتے۔'' نصرت آنکھیں نکال کر بولا۔

''جو میں کرتا ہوں وہی قانون ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو قانون مجھ سے شکوہ نہیں کرے گا۔''

''خیر میں بھی دیکھوں گا۔'' نصرت کے لہجے میں چیلنج تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیسی سالانہ یاددہانی کیسا وکیل۔'' مسز نصرت نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''میں کہتا ہوں تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' نصرت پھر اس پر الٹ پڑا۔

چلو بھئی فریدی نے حمید سے کہا۔ ''ہماری وجہ سے خواہ مخواہ کہیں یہ دونوں آپس میں نہ جھگڑ بیٹھیں۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر رک کر مڑا اور آہستہ سے بولا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ سر وحید کے قاتل سے واقف ہیں۔''

''کیا کہا....!'' مسز نصرت اچھل پڑی۔

''بالکل بالکل....'' نصرت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بچوں کی سی ہنسی تھی۔ حمید نے اس کی بوڑھی آنکھوں میں شوخی بھی دیکھی تھی۔

''نہیں مسٹر نصرت۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ اس مسئلے کو غیر سنجیدگی سے نہیں ٹال سکتے۔'' وہ اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم تہیہ کر کے آئے ہو کہ مجھے پاگلوں کی طرح چیخنے پر مجبور کر دو گے۔''

''آپ ایک بار پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔'' فریدی نے کہا۔

اور نصرت کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تڑ سے بولی۔ ”میں خوب سمجھتی ہوں۔ پہلے آپ نے اپنے اسسٹنٹ کو بھیجا تھا اب خود تشریف لائے ہیں۔“

”تم کیا سمجھتی ہو؟“ نصرت نے پوچھا۔

”ایک بار اِن حضرت نے آرلکچنو میں مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔“

حمید چکرا گیا اور اس طرح بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس نے ہونٹوں کی بجائے ناک سے سگار پینا شروع کر دیا ہو۔

”مگر یہ ان دنوں کی بات ہے محترمہ جب آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس لئے یہ مسئلہ نصرت کی ذات سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ ویسے مجھے آپ کی یادداشت کی تعریف ہی کرنی چاہئے۔“

”خدا کی قسم برداشت سے باہر ہے۔“ نصرت ناچ کر رہ گیا۔

”ایسے حالات واقعی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خاموش ہی رہا۔ یہ رات بھی اس کے لئے عجیب ہی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس عورت نے نصرت کو ڈاج دے کر فریدی تک اپنا یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے نجات دلائے اور اب اس پر الزام لگا ہی تھی کہ اس نے کبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی اور تو اور فریدی نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

نصرت آنکھیں پھاڑے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”مگر آپ قاتل کو جانتی ہیں۔“ فریدی نے اس کی بیوی سے کہا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ روحید پر فائر آپ کے باورچی خانے ہی سے کیا گیا تھا۔“

دفعتاً مسز نصرت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور حمید نے اسکی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”مم.... نن.... میں کچھ نہیں جانتی۔“ اس نے کہا اور تیزی سے فریدی کے قریب ہی سے گذرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ نصرت کسی بت کی طرح ساکت تھا لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے....!“ اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

"میں اس کا مظاہرہ کر سکتا ہوں.... اگر آپ اجازت دیں۔"

"کیسے! کیا دیوار پر فائر کیا گیا ہوگا۔ کیا گولی دیوار سے گزر کر اس کے لگی ہو گی۔"

"نہیں! میں دکھاؤں گا۔ کیا آپ مجھے اپنے باورچی خانے تک لے جا سکیں گے اور کیا اس کی اجازت دیں گے کہ میں آپ کی بے آواز رائفل استعمال کر سکوں۔"

"اوہ....!" نصرت اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ خوف تھا یا اظہار حیرت۔

"تو آپ اس کے قتل کا الزام میرے سر رکھ دیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اس پر تو آپکی بیگم صاحبہ ہی روشنی ڈال سکیں گی کہ قاتل کون تھا۔"

"تو اس نے مجھ سے بھی چھپایا ہے۔ لیکن وہ چلی کیوں گئی۔"

"اس کا جواب بھی وہی دے سکیں گی۔ میرے خیال سے اب آپ کو دیر نہ کرنی چاہئے۔"

"آیئے... میرے خدا... یہ رات کتنی عجیب ہے۔" نصرت دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دوسرے کمرے میں اس کی بیوی ملی وہ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

نصرت نے دیوار سے رائفل اتاری اور فریدی کی طرف بڑھا دی۔ پھر بیوی سے بولا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم سر وحید کے قاتل کو جانتی ہو۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو۔ چھیڑ چھاڑ کے تذکرے پر تمہاری آواز میں بڑی زندگی تھی۔" نصرت گرجا۔

"لیکن اس الزام پر تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔ اگر یہ جھوٹا ہے اپنے کمرے میں چلو۔ تمہیں جواب دینا پڑے گا اگر اسے ثابت نہ کیا جا سکا۔"

وہ اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے کے دروازے پر لایا اور اندر دھکیل کر زنجیر چڑھا دی۔

"کھولو.... کھولو.... یہ کیا کرتے ہو۔ کیا دیوانگی ہے۔" وہ اندر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

نشانہ

باورچی خانے کی پچھلی دیوار شکستہ تھی اور اس سے تاروں بھرا آسمان صاف دکھائی دے ر

تھا۔ یہ شگاف اتنا کشادہ تو ضرور تھا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکے۔ بہر حال باورچی خانہ قطعی غیر محفوظ تھا۔ اگر اسے مقفل نہ رکھا جاتا تو سارے ہی رہائشی حصے غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے۔ اس وقت بھی وہ قفل ہی کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

فریدی کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ دروازے کی طرف مڑا۔ یہاں سے وحید مینشن کی تیسری منزل کی دیوار صاف نظر آ رہی تھی۔

"آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں مجھے۔" نصرت نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.....!" فریدی بولا اور شکستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ لیکن راہ میں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار اور بھی حائل تھی۔ یہ فرش سے تقریباً چار فٹ ضرور اونچی ہو گی۔ دونوں دیواروں کے درمیان ایندھن کے ڈھیر تھے۔

"کوئی آدمی اس شگاف سے اندر داخل ہو کر یہاں بہ آسانی چھپ سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "اس طرح کہ یہاں بیٹھ کر کھانا پکانے والے کو خبر ہی نہ ہو سکے۔"

"خدا کی پناہ۔" نصرت پھر جھنجھلا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سے گولی چلائی گئی تھی تو وہ پہلے آسمان کی طرف گئی ہو گی اور پھر وہاں سے اس طرح ٹپکی ہو گی کہ سر وحید کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا ہو گا۔

"بے صبر ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور صحن میں رک کر اس نے تین بار سیٹی بجائی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

دفعتاً فریدی نے نصرت سے کہا۔ "اب دیوار کی طرف دیکھئے مسٹر نصرت۔"

حمید کی نظر وحید مینشن کی طرف اٹھ گئی۔ تیسری منزل کی دیوار پر ایک جگہ ایک چھوٹا سا روشن مستطیل نظر آ رہا تھا۔

"اوہ.... یہ کیا.....!" نصرت بڑبڑایا۔ خدا کی قسم میری نظر آج تک اس پر نہیں پڑی تھی۔

"اب آیئے باورچی خانے میں۔"

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آ گئے۔ فریدی چار فٹ اونچی دیوار تک چلا گیا۔

"ذرا جھک کر یہاں سے دیکھئے اور زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔"

حمید بھی قریب پہنچ گیا۔ اب یہاں اس روشن مستطیل کی اصلیت واضح ہوئی۔ یہ ایک

چھوٹی سی مستطیل نما خلاء تھی جس میں ایک موم بتی روشن تھی اور موم بتی کی لو یہاں سے صاف نظر آ رہی تھی۔

''یہ نالی میں نے تو کبھی نہیں دیکھی۔'' نصرت بڑبڑایا۔

''تھوڑی دیر بعد یہ پھر نظروں سے غائب ہو جائے گی۔'' فریدی نے کہا اور دیوار کی دوسری جانب اترتا ہوا بولا۔ ''اب دیکھئے کہ سر وحید کا کیا حشر ہوا۔ جب وہ اسی خلاء سے آنکھیں لگائے سر کے بل کھڑا تھا مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ ایک کارتوس دینے کی بھی زحمت گوارہ کریں گے۔''

''میگزین بھرا ہوا ہے۔'' نصرت بولا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں طفلانہ چمک دیکھی۔

''شکریہ۔'' فریدی نے میگزین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور شست لے کر فائر کر دیا۔ رائفل بے آواز تھی اس لئے ایک ہلکی سی ''کلک'' باورچی خانے میں گونج کر رہ گئی۔

دوسری طرف مستطیل نما خلاء کی موم بتی گل ہو چکی تھی۔

''بڑا شاندار نشانہ ہے....!'' نصرت بڑبڑایا۔

''تو اس طرح سر وحید کا خاتمہ ہوا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں سے بھی صحیح نشانہ نہیں لیا جا سکتا۔'' فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر نصرت ہی بولا۔ ''مگر کون! یہاں سے کس نے فائر کیا ہو گا۔ کون آیا ہو گا یہاں۔''

''آپ کہاں تھے جس دن یہ حادثہ ہوا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں گھر پر نہیں تھا۔ رات گئے واپس آیا تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ سر وحید مر گیا۔''

''کیا بیگم صاحبہ تین بجے عموماً باورچی خانے ہی میں ہوتی ہیں؟''

''ہاں.... مگر اس سے کیا....؟''

''کچھ نہیں.... سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے باورچی خانے میں اس طرح کیوں جھانکا کرتا تھا۔''

''یقین کیجئے مسٹر آفیسر.... اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو شائد وہ میرے ہی ہاتھوں مرتا۔'' نصرت نے مسکرا کر کہا ''اور یہ سوال میرے لئے بھی تشویش کن ہے کہ وہ میرے باورچی خانے میں کیوں جھانکا کرتا تھا۔ لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آیئے اب میں اس نامعقول عورت سے پوچھوں گا۔''

وہ باورچی خانے سے پھر اس کمرے کی طرف آئے جہاں نصرت نے اپنی بیوی کو بند کیا تھا۔ نصرت نے کنڈی گرائی اور دروازے کو دھکا دیا۔ وہ مسہری پر منہ کے بل پڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"اٹھو.....!" نصرت نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ اٹھ تو گئی لیکن کسی سے نظر نہیں ملائی اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔

"کس نے فائر کیا تھا باورچی خانے سے۔" نصرت دہاڑا۔

"میں نہیں جانتی تھی..... مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے کھٹکے کی آواز سنی تھی اور چونک پڑی تھی۔ وہ دیوار کے شگاف سے باہر جارہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ میں چیخی تھی اور وہ نکل گیا تھا۔"

"کون تھا.....؟"

"پرنس توقیر.....؟"

"ہائیں.....!" نصرت آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ "لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ تم جانتی تھیں کہ سر وحید باورچی خانے میں جھانکا کرتا ہے۔"

"نہیں..... یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے کبھی جھانکتے نہیں دیکھا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا۔"

"میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہیں تم میرے کیرکٹر پر شبہ نہ کرنے لگو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی۔" وہ رونے لگی۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا۔ نصرت اپنی بیوی کو تنفر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس وقت جو کچھ بھی کیا ہے بہت ہی منظم طریقے پر کیا ہے۔ شاید وحید مینشن کی تیسری منزل پر اس کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے جنہوں نے سیٹی کی آواز پر دیوار کی پوشیدہ خلاء میں موم بتی روشن کردی تھی۔

"تم نے آخر مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔" نصرت نے اپنی بیوی کو پھر جھنجھوڑ ڈالا۔ "اور تم پرنس توقیر کو کیا جانو۔"

اس کی بیوی نے سر اٹھایا گو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر ان میں حمید کو غصے کی

لہر نظر آئی۔ دفعتاً اس نے غرا کر کہا۔ ”کیوں نہ جانوں۔ کیا میں کوئی پردہ نشین عورت ہوں۔ میں ہزاروں کو جانتی ہوں۔“

”بس کیجئے۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔ ”آپ دونوں ہی بہترین اداکار ہیں۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔“

”کیا مطلب....!“ بوڑھا چونک پڑا اور عورت بھی فریدی کو گھورنے لگی۔

”زیادہ لمبی اڑان اکثر بڑی تیزی سے نیچے لاتی ہے۔“ فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

”پتہ نہیں اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کا وارنٹ گرفتاری میری جیب میں موجود ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلب کہاں تک سمجھاؤں۔“ فریدی نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے کہا۔

”یہ کیا کرنے جارہے ہیں آپ۔“ بوڑھا جھلائی ہوئی آواز میں چیخا۔

”وارنٹ دکھایئے۔“

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وارنٹ بھی نکالا۔

”مگر یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے۔ آخر میں کس بناء پر گرفتار کیا جارہا ہوں۔“ نصرت نے اب بھی غصے ہی کا مظاہرہ کیا۔

”سر وحید اور پرنس توقیر کے قتل کے الزام میں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید بڑی تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”بکواس ہے۔“ نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

”اس پر غور کرنا عدالت کا کام ہے.... میرا نہیں۔“

”یہ سراسر زیادتی ہے۔ آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔“ نصرت کی بیوی بولی۔

”عدالت میں ثابت کروں گا۔ ویسے جس طرح میری یہ بات صحیح نکلی ہے کہ آپ قاتل سے واقف تھیں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے رائفل پرنس توقیر کے ہاتھ میں نہیں بلکہ نصرت کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس کے بعد نصرت نے پرنس توقیر کو بھی ختم کردیا۔ اب بھی فرمایئے کہ میں نے آپ کو کبھی آلکچو میں چھیڑا تھا۔ توقیر اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے

زندہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھی تھی۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" نصرت اس طرح بولا جیسے اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

"ظاہر ہے کہ ہتھکڑیاں نکال لینے کے بعد میں کیا چاہوں گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ تم مجھے یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔" حمید نے بوڑھے کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلک دیکھی۔ اس نے رائفل سیدھی کرلی تھی۔ رائفل اس دوران اسی کے پاس ہی رہی تھی۔

"نکل جاؤ یہاں سے.... جاؤ۔" وہ فائر کردینے کی دھمکی دیتا ہوا بولا۔

"کیا کررہے ہو تم....!" عورت چیخی۔ لیکن بوڑھا سیفٹی کیچ ہٹا چکا تھا۔

فریدی نے بڑے اطمینان سے کہا۔" آپ مطلق پریشان نہ ہوں محترمہ! وہ ایک ایسے آدمی کو گولی مارنے جارہا ہے جس نے آپ کو کبھی چھیڑا تھا۔"

"اے بوڑھے۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔" آس پاس ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔"

"اس لئے تم اس وقت بھی اس کو غزل پر اصلاح دے سکتے ہو۔" فریدی نے نصرت سے کہا اور ہتھکڑیاں لے کر اس کی طرف بڑھا۔ نصرت نے ٹریگر دبادیا اور حمید دیوانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا۔ عورت بھی چیخی تھی لیکن فریدی اپنے ہی پیروں پر کھڑا مسکرارہا تھا۔

حمید اور نصرت گتھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہوگئے۔

"تم بیکار الجھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔" میں احمق نہیں ہوں کہ میگزین خالی کئے بغیر رائفل اسے دے دیتا۔"

"ہات تیری کی۔" حمید بڑبڑاتا ہوا نصرت پر سے اٹھ گیا۔ ویسے اس نے اس سے رائفل تو چھین ہی لی تھی۔

نصرت دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ بازی کیسے پلٹ گئی۔ پہلے تو فریدی اس خیال کی تردید کرتا رہا تھا کہ نصرت ہی قاتل ہے۔

"ایسا ظلم نہ دیکھا نہ سنا۔" عورت بڑبڑائی۔

"میں آپ کو اس کھنڈر سے نجات دلا رہا ہوں محترمہ۔ آپ نے کچھ دیر پہلے خواہش ظاہر کی تھی۔"

"خواہش ظاہر کی تھی تم سے کب....؟" نصرت نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جب آپ ان کی چیخ سن کر باہر تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے کھنڈر کی طرف آکر کھڑکی سے کہا تھا۔ خدا کے لئے مجھے اس کھنڈر سے نجات دلائیے۔"

"اوہ.... کتیا.... اتنی چالاکی....!" نصرت نے دانت پیس کر کہا۔

"خاموش رہو سُوّر.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔"

"زبان کو لگام دے سُوّر کی بچی۔"

"چپ رہو سُوّر....!" عورت نے جھلاہٹ میں نصرت پر تکیہ کھینچ مارا۔

"یہ رباعی عرض ہوئی ہے۔" حمید نے ہونٹ بھینچ لئے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اس بار نصرت کے ہتھکڑیاں لگا ہی دیں۔

وہ چیختا رہا۔ مرنے مارنے پر آمادہ رہا۔ لیکن اسے اور اس کی بیوی کو کار تک پہنچا ہی دیا گیا۔

پھر دوسری صبح کے اخبارات نے سر وحید کی موت کا معمہ حل کر دیا۔ اس کی چھت کے اس میکنزم کے متعلق تفصیل آئی تھی جس پر دباؤ پڑتے ہی دیوار میں خلاء پیدا ہو جایا کرتی تھی اور سر وحید سر کے بل کھڑا ہو کر نصرت کی بیوی کے سلسلے میں تاک جھانک کیا کرتا تھا۔ ایک دن نصرت نے اسے جھانکتے دیکھ کر اپنی بے آواز رائفل سے ٹھکانے لگا دیا اور پھر اپنی بیوی کے دوسرے عاشق پرنس توقیر کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے بھی مار ڈالا۔ پولیس نے دونوں مقتولین کے سامان سے اس کی بیوی کے فوٹو برآمد کئے ہیں۔

سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن حمید مضطرب تھا۔ اس کیس کے کئی الجھاوے ابھی تک اس کے لئے الجھاوے ہی بنے ہوئے تھے۔

اس نے فریدی سے بھی ان کے متعلق گفتگو کرنی چاہی بس یہی جواب ملا۔ "ختم کرو۔ میں اپنے ذہن کو زیادہ نہیں الجھانا چاہتا۔ نصرت اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن اس کی بیوی نے تو اس کے جرم کا اعتراف کر ہی لیا ہے۔"

"تو وہ جانتی تھی کہ سر وحید وہاں سے جھانکا کرتا ہے۔"

"اس کا اعتراف اس نے نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ جانتی تھی۔ اگر اعتراف کر لیتی تو نصرت ہی کب اسے زندہ چھوڑتا۔"

اسی دن رات کے کھانے پر فریدی نے فون پر ایک کال ریسیو کی اور کھانا چھوڑ کر نہ صرف خود اٹھ گیا بلکہ حمید کو بھی اپنی ہی تقلید پر مجبور کیا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔" حمید پیر پٹخ کر بولا۔

"جاؤ سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن لو۔ نقاب ساتھ لینا مت بھولنا۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کرو۔"

"کیا ہو گا....!"

"طوفان میل کا بیٹا۔ اسٹیج کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے کسی ہنٹر والی کی بیٹی کا بھی انتظام ہو جائے۔ جلدی کرو ڈفر۔ ریوالور بھی لینا۔ کچھ راؤنڈ فالتو بھی۔"

"فی الحال میں خود کو کسی پالتو سے زیادہ نہیں سمجھ رہا۔" حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "آج کی تفریح بھی تمہیں عرصہ تک یاد رہے گی۔"

"اگر فاقہ مستی تفریح ہے.... تو....!"

"دفع ہو جاؤ۔" فریدی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے بھی سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون ہی میں دیکھا۔

پھر گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی گئی جس کا رنگ آئے دن تبدیل ہوتا رہتا تھا اور نمبر کی پلیٹیں بھی حسب ضرورت بدلی جا سکتی تھیں۔ یہ گاڑی بہت ہی مخصوص مواقع پر استعمال ہوتی تھی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

کار انہوں نے دولت گنج کی ایک تاریک گلی میں چھوڑی اور گلیوں ہی سے پیدل گذرتے رہے، حمید بالکل خاموش تھا۔ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسی ہی جھلاہٹ ذہن پر مسلط تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ وحید مینشن کی پشت پر آ نکلے ہیں۔ نصرت کی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہی تو سامنے تھی۔

"نقاب....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ حمید نے نقاب چہرے

پر لگالی اور اب پھر یک بیک وہ اپنے جسم میں ویسا ہی پھرتیلا پن محسوس کرنے لگا جیسا خاص مہمات کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سارے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے تھے۔

کھنڈر پر اندھیرا مسلط تھا اور وہ دونوں چوپایوں کی طرح زمین پر ٹکے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔

اندر داخل ہونے کے لئے فریدی نے وہی شگاف منتخب کیا جو باورچی خانے کی دیواروں میں تھا۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ اگر باورچی خانے کا دروازہ صحن کی طرف سے مقفل ہوا تو کیا ہوگا۔ وہ کس طرح دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔ صدر دروازہ تو ان دونوں کی گرفتاری کے بعد ہی مقفل کر کے سیل کر دیا گیا تھا۔

باورچی خانے میں پہنچ کر دروازے کے برابر ہی انہیں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آیا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی نے محدود روشنی والی چھوٹی سی ٹارچ روشن کی۔ یہ سوراخ شاید کچھ دیر قبل ہی بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب ہی اینٹوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر اور پلاسٹر کے ٹکڑے نظر آرہے تھے۔ پچھلی رات حمید نے یہاں ایسا کوئی سوراخ نہیں دیکھا تھا۔

سوراخ کے قریب رک کر فریدی نے آہٹ لی اور پھر اپنے پیر سوراخ سے گذار دیئے۔ اس طرح وہ کھسکتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اب حمید کے لئے اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بھی بہ آسانی سوراخ سے گذر کر صحن میں پہنچ گیا۔ ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ دفعتاً ایک کھڑکی میں روشنی نظر آئی۔

فریدی اسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا.... روشنی پھر غائب ہو گئی تھی۔ شاید وہ کسی ٹارچ کی روشنی تھی۔ جسے حسب ضرورت جلایا اور بجھایا جا رہا تھا۔

پھر انہوں نے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ روشنی دوبارہ نظر آئی اور اس بار دیر تک رہی۔

فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور کوئی باہر نکلا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اس کی بائیں پسلی سے جا لگی۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ دوست....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

اور اجنبی کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"اب تم سوئچ آن کر دو.... کمرے کا۔" فریدی نے حمید سے کہا تھا لیکن حمید کو اس کی آواز

پہچاننے میں دشواری محسوس ہوئی۔

بہرحال اس نے سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ ان کا شکار بھی نقاب پوش ہی نکلا۔

فریدی اسے ریوالور سے دھکیلتا ہوا پھر کمرے میں واپس لا رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر حمید نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھورا۔

ہوس کی کہانی

یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس۔ آنکھوں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نقاب سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے۔ بائیں شانے سے ایک چرمی تھیلا لٹک رہا تھا جس سے لوہے کے کچھ اوزاروں کے سرے جھانک رہے تھے۔

فریدی نے ریوالور کی نال سے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر نقاب پوش کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ ایک چاقو اور ایک آٹومیٹک پستول اس کے پاس سے برآمد ہوا جس کی میگزین پُر تھی۔ پھر اس نے اس کے کاندھے سے چرمی تھیلا بھی اتار کر فرش پر الٹ دیا۔ مختلف قسم کے وزار بکھر گئے۔

"اب تم اپنا کام اطمینان سے جاری رکھ سکتے ہو دوست۔" فریدی نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ بھی اپنی اصل آواز میں نہیں ولا۔ اس نے حلق کے بل بولنے کی کوشش کی تھی۔

"میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ اپنا کام جاری رکھو۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"لیکن جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

اور جواب میں حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا ہے۔ لیکن خود اس نے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فریدی کے اس طرح

ریوالور جیب میں ڈال لینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس نقاب پوش کو جواب دینے پر مجبور کئے بغیر نہیں مانے گا۔ نقاب پوش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ غالباً وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا مقابل کیا چاہتا ہے۔

"تم جواب دینے پر مجبور ہو۔" دفعتاً فریدی بولا۔

"اوہ....!" نقاب پوش نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس پر چھلانگ لگائی۔ فریدی بے خبر تو تھا نہیں کہ اس کی زد میں آ جاتا۔ بڑی پھرتی سے وہ ایک طرف ہٹا اور پھر قبل اس کے کہ نقاب پوش دوسری بار اس کی طرف پلٹتا اس نے اس کی کمر پر ایک زور دار لات رسید کی۔ نقاب پوش ایک کراہ کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کا دوسرا حملہ یہی ثابت کر رہا تھا کہ وہ مر جانے یا مار ڈالنے کا تہیہ کر کے جھپٹا ہے۔

حمید کی حیثیت ایک خاموش تماشائی کی سی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے حالات میں کسی قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی شامت تو آئی نہیں تھی کہ وہ اس لڑائی میں خود بھی حصہ لے بیٹھتا۔ ایسے مواقع پر فریدی دخل اندازی کرنے والوں کو بھی دو چار ہاتھ ضرور جھاڑ دیتا تھا۔ خواہ اس کے اپنے ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر مقابلہ کرنے والے دو ہوتے تو حمید کو یقینی طور پر ہاتھ پیر ہلانے کا خیال آتا۔

دوسرے حملے میں فریدی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن اس بار بھی اس نے بڑی صفائی سے اس کا وار خالی دیا تھا۔

تیسری بار حملہ کرنے کی بجائے نقاب پوش دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور ہانپتا ہوا بولا۔ "تم جو کوئی بھی ہو۔ ایک سرکاری فرض کی ادائیگی میں حارج ہو رہے ہو۔"

"ارے دوست! یہ کہانی بھی میرے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔" فریدی نے کسی قدر حیرت کا اظہار کر کے کہا۔

"اس مکان کا مالک ایک غیر ملکی جاسوس تھا۔" نقاب پوش بولا۔ "میں اس کے کاغذات تلاش کر رہا ہوں۔"

"تمہیں یہ حق کہاں سے ملا ہے دوست۔" فریدی کا لہجہ پر سکون اور باوقار تھا۔

"میں سیکرٹ سروس سے متعلق ہوں۔"

”خوب! حالانکہ سیکرٹ سروس کا کوئی آدمی پھانسی کے تختے پر بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ کون ہے کیونکہ اس کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آسکتا۔ شاید تم نے کسی جاسوسی ناول میں سیکرٹ سروس والوں کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔“

یک بیک نقاب پوش پھر فریدی پر ٹوٹ پڑا.... اور فریدی اس بار جم کر مقابلہ کرتا ہوا بولا۔ ”ابھی میں دیکھے ہی لیتا ہوں کہ تم کون ہو۔“

نقاب پوش اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار اس نے فریدی کو گرا بھی دیا لیکن خود کو اس کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔

”کیا میں تمہیں جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔“ فریدی اس کی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ ”بولو.... اگر تم جواب دینے پر آمادہ ہو تو میں تمہاری گردن چھوڑ دوں۔“

”بتاؤں گا....“ وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا اور فریدی اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

”تم کون ہو....؟“ نقاب پوش نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”نہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور نہ اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ میں نے تم سے صرف یہ پوچھا تھا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اسی کا جواب چاہتا ہوں۔“

”اگر تم یہ بتا دو کہ تم کون ہو تو شاید بڑے فائدے میں رہو گے۔“

”اور تم سیدھے پھانسی کے تختے کا رخ کرو گے کیونکہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم نے پرنس توقیر کو دھوکا دے کر ختم کر دیا۔“

حمید نے دیکھا کہ اس بار نقاب پوش نے جھک کر لوہے کا ایک اوزار اٹھا لیا ہے اور فریدی پر پھر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

حمید نے جھلا کر ریوالور نکال ہی لیا اور گرج کر بولا۔ ”اوزار زمین پر گرا دو۔ ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔“

”ریوالور جیب میں رکھ لو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بیچارہ اس وقت تنہا ہے۔ کہیں سہم کر مر ہی نہ جائے، یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس بیچارے کو اپنے گارڈ سے بھی چھپ کر آنا پڑا ہے۔“

”اوہ تو یہ لکھن پال ہے۔“ حمید نے سوچا اور چپ چاپ ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

دوسری جانب نقاب پوش کی بوکھلاہٹ ہی اس کی شکست کا باعث بن گئی۔ حملہ تو اس نے

زوردار کیا تھا لیکن کھوپڑی سے باہر ہو کر نتیجہ یہ ہوا کہ لوہے کا وزنی اوزار خود اسی کے سر پر پڑا اور وہ چکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اور پھر سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی اس پر چھا گیا تھا اس نے اس کی نقاب کھینچ کر الگ کر دی۔ تھکا ہوا لکھن پال بے بسی سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"اس کے ہاتھ پکڑلو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں سر وحید اور پرنس توقیر کے قاتل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے جا رہا ہوں....!"

لکھن پھر جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن اس بار فریدی نے اس کے منہ پر ہاتھ رسید کیا۔ جلد ہی اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں۔

فریدی نے بھی اپنا نقاب ہٹا دیا تھا اور لکھن سے کہہ رہا تھا۔ "تم سمجھے تھے شاید اس عورت کی مدد سے اپنا جرم نصرت کے سر منڈھنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

اب حمید کو فریدی کی پچھلی رات والی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ نصرت اور اس کی بیوی کو اس کھنڈر سے ہٹانا ضروری ہے اور پرنس توقیر بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اسے کسی طرح وہاں سے ہٹا لے جائے۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ پرنس توقیر اور سر وحید کا قتل کس سلسلے میں ہوا تھا۔ اگر یہی ان دونوں کا قاتل تھا اور کسی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ نصرت یہاں رہے تو وہ اسے بھی تو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ اتنی زحمت کیوں مول لی کہ اس کی بیوی کو اس سازش میں شریک کر کے اسے جیل بھجوانا پڑا۔ اس طرح یہ مقصد پورا کیا کہ وہ اس عمارت میں نہ رہے۔

یہ سوالات چکرا دینے والے تھے لیکن فریدی سے دوسرے دن تک کچھ نہ معلوم ہو سکا ویسے وہ اب بھی بے حد مشغول نظر آ رہا تھا۔

یہی وہ مراحل ہوتے تھے، جب حمید کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا! لیکن کیا ہوتا تھا وہی جو فریدی چاہتا تھا۔ ویسے حمید کو اس کا بھی علم تھا کہ ایسے حالات اسی وقت پیدا ہوتے تھے، جب فریدی کو واضح ترین ثبوت مہیا کرنے کی فکر ہوتی تھی۔ اس کیس میں اتنی تاخیر کا مطلب یہی تھا کہ فریدی جو کچھ بھی کر چکا ہے اسے صحیح ثابت کر دینے کیلئے ابھی تک کافی مواد نہیں فراہم کر سکا۔

شام کو اسے معلوم ہوا کہ فریدی جیل کی طرف گیا ہے۔ اس نے بھی کار نکالی اور اسی جانب چل پڑا، لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب فریدی واپس آنے کے لئے اپنی گاڑی پر بیٹھ رہا تھا۔

"چلو.... وہیں چل رہے ہیں۔ نصرت کے مکان پر۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولا اور حمید کو پھر گاڑی موڑ لینی پڑی۔

راستے بھر وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتا رہا۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی کیس تھا۔ نصرت کے مکان میں اسے اپنے ہی محکمے کے کچھ آدمی نظر آئے، جو مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے تھے۔ ایک آدمی اسے اور فریدی کو ایک کمرے میں لایا جہاں کا فرش کھودا گیا تھا۔

ایک جانب ایک زنگ خوردہ آہنی صندوق دکھائی دیا جس کا ڈھکن علیحدہ ہو گیا تھا اور جس میں بھری ہوئی اشرفیاں دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھیں۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ تو یہ چکر تھا۔ اس نے سوچا۔

"وہی پرانی کہانی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "ساری دنیا سمیٹ لینے کی ہوس! خواہ اس میں سے اپنی ذات پر ایک پائی بھی نہ صرف ہوسکے۔ یہ اشرفیاں سالہا سال سے نصرت کے لئے سوہانِ روح بنی رہی ہوں گی۔ اب یہی دیکھو نا کہ چار آدمی بیک وقت اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ خیر پھر بتاؤں گا۔"

وہ مجسٹریٹ کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اپنی نگرانی میں اس صندوق کو سر بمہر کرانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"تو یہ نصرت کوئی خزانہ دبائے بیٹھا تھا جس کے لئے دو قتل ہوگئے تھے لیکن قاتل نے خود نصرت ہی کو ٹھکانے کیوں نہ لگادیا۔" حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔

اس کے بعد رات کے کھانے ہی پر اطمینان سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکا۔

"اس کیس کے دوران میں کئی ادھورے واقعات تمہارے علم میں بھی آچکے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور اس وقت تک میری معلومات بھی زیادہ نہیں تھیں مگر کہانی تو اب مکمل ہوئی ہے۔ نصرت اس کی بیوی اور لکھن تینوں ہی بالآخر زبان کھولنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ خزانہ بہت عرصے سے نصرت کے پاس ہے۔ لکھن، توقیر، نصرت اور سر وحید اپنے ابتدائی زمانے میں بڑے اچھے دوست تھے۔ لکھن اور سر وحید سڑکوں کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ نصرت آثار قدیمہ کے محکمے میں ایک آفیسر تھا اور پرنس توقیر اس لئے ان کے ساتھ رہا کرتا تھا کہ ان زندہ دلوں کے ساتھ سیر و شکار میں اچھا وقت کٹ جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہ چاروں ساتھ ہی تھے، جب تار جام والی

سڑک بن رہی تھی۔ انہیں دنوں نصرت ٹھیکیداروں کے کیمپ سے تھوڑے ہی فاصلے پر راج گڑھ میں آثار قدیمہ کے سلسلے میں کھدائی کر رہا تھا.... جس وقت یہ صندوق ہاتھ لگا وہ تینوں بھی نصرت کے پاس ہی موجود تھے۔ نصرت نے وہاں سے مزدوروں کو دوسری طرف ہٹا دیا اور اس طرح کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہونے پائے لیکن اس وقت اسے وہاں سے ہٹالانا بھی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ چاروں طرف کام ہو رہا تھا۔ طے یہ پایا کہ فی الحال وہ اسے ڈھک دیں اور بعد میں اطمینان سے وہاں سے لے جائیں، دراصل ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی ایک مزدور کی کدال نے کسی دھات کی چیز سے ٹکرا کر آواز پیدا کی تھی نصرت نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کھودنے سے روک دیا تھا اور بعد میں خود ہی مٹی ہٹانے پر صندوق نظر آیا تھا۔ ان چاروں کے علاوہ اور کوئی بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ رات کو کیمپ میں وہ اس کے بٹوارے کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ نصرت اکیلے ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بظاہر تو ان سے اتفاق کیا تھا لیکن دل ہی دل میں بُری طرح کھول رہا تھا کہ آخر یہ تینوں کم بخت کیسے حصے دار بن بیٹھے ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ بھی اس وقت وہیں موجود ہوتے۔ رات کو نصرت اٹھا اور راج گڑھ کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی بے اطمینانی ہی میں تھے۔ انہیں بھی نیند نہیں آئی تھی اور وہ بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ یہیں سے جھگڑا شروع ہوا۔ یا شاید یہ بات رہی ہو کہ وہ چاروں ہی انفرادی حیثیت سے اسے صرف اپنے ہی قبضے میں کرنے کے لئے کوشاں رہے ہوں۔ نصرت بے خبر تھا کہ وہ لوگ بھی چل پڑے ہیں۔ بہر حال جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا کسی نے اس پر فائر جھونک مارا۔ اس نے بھی ریوالور نکال لیا وہ مختلف سمتوں میں فائر بھی کرتا رہا اور اس بکس کو نکال لینے کی کوشش بھی جاری رہی۔ فائروں کی آواز پر قریب کے دیہاتوں کے لوگ دوڑ پڑے۔ لیکن نصرت کسی نہ کسی طرح اس صندوق کو دور کھسکا لے گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے اسے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہٹا کر چھپا دیا تھا اور پھر نہایت اطمینان سے کیمپ میں واپس آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ زخمی سر وحید کو وہاں لائے تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نصرت بھی انہیں کے ساتھ آیا ہو۔ توقیر اور لکھن کی حالت سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بھی فائر کی آوازوں ہی پر ادھر گئے ہوں۔ سر وحید ان تینوں پر الزام لگا رہا تھا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو یہی بیان دیں کہ یہ فائرنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اسے مان لیا اور پولیس کو بھی یہی رپورٹ دی۔ لیکن جب تینوں

کو معلوم ہوا کہ صندوق وہاں نہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہئے تھا تو پھر ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ ہر آدمی دوسرے کو بے ایمانی کا الزام دے رہا تھا۔ اس دن سے وہ چاروں دشمن ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد انہیں علم ہوا کہ خزانہ نصرت ہی کے قبضے میں ہے اور انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ لیکن نصرت نے اس دوران میں چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے ایک سربمہر لفافہ اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر اس کی موت غیر قدرتی حالات میں واقع ہو تو وہ لفافہ پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور یہ چیز ان تینوں پر بھی واضح کر دی گئی کہ اگر اسے کچھ ہوا تو وہ تینوں ضرور پکڑے جائیں گے۔ ادھر وہ ہر سال پولیس کو یاد دہانی بھی کرا دیتا تھا کہ اگر وہ غیر قدرتی حالات میں مرا تو اس کا وکیل قاتلوں کے نام پولیس تک پہنچا دے گا۔ لیکن نہ تو پولیس اس کے وکیل سے واقف تھی اور نہ وہ تینوں۔ ورنہ وکیل کا انتظام بھی کر لیا جاتا۔ ادھر ان لوگوں نے اس خزانے کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ نصرت نے اسے اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں ہی چھپایا ہو گا۔ جہاں خود رہتا ہے۔

اس شبہے کو اس بات سے اور تقویت پہنچی کہ نصرت ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی ہاتھ آجانے کے باوجود بھی اسی کھنڈر میں پڑا رہا ہے.... کچھ دنوں بعد سر وحید کے تعلقات لکھن اور توقیر سے خراب ہو گئے۔ لیکن وہ بھی ابھی تک خزانے کے حصول کے لئے کوشاں تھا۔ ویسے اب اس کی کوشش انفرادی تھی۔ لکھن اور توقیر مل کر کام کر رہے تھے۔ سر وحید نے نصرت پر ایک عورت مسلط کر دی۔ یعنی نصرت کی بیوی۔ وہ اس سے بس یونہی مل بیٹھی تھی۔ رفتہ رفتہ شادی کی نوبت آ گئی۔ سر وحید اس عورت کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ لیکن وہ بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ویسے سر وحید کو روزانہ اپنے باورچی خانے سے اشارے کیا کرتی تھی اور نصرت اس سے لاعلم تھا۔ سر وحید کو وہاں سے جھانکنے کا گویا خبط ہو کر رہ گیا تھا۔ جب ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی بھی نصرت کے ہاتھ آ گئی تو عورت نے سر وحید کے اشارے پر اسے بور کرنا شروع کر دیا کہ اب وہ اس میں اٹھ جائے۔ لیکن نصرت نے کوئی وجہ بتائے بغیر انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی معقول وجہ معلوم کئے بغیر اس کی بیوی کیسے چپ ہوتی۔ تھک ہار کر نصرت نے اسے سمجھایا کہ سعیدہ کی کوٹھی منحوس تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے کوئی دوسری عمارت خریدے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوٹھی کے لئے کوئی گاہک نہ مل سکا کیونکہ خود نصرت ہی نے اسے بدنام کیا تھا۔ دوسری طرف

کسی طرح توقیر اور لکھن کو اس جھگڑے کا علم ہو گیا اور توقیر نے ایک پروگرام بنایا۔ ان دنوں شاید نصرت کو روپیوں کی ضرورت تھی اسے گاہک مل گیا۔ یہ گاہک خود توقیر ہی تھا لیکن نعیم کی پشت پر.... اس سے پہلے ہی لکھن یہ معلوم کر چکا تھا کہ نصرت کی بیوی سر وحید سے ملی ہوئی ہے۔ لیکن اس نے یہ بات توقیر پر نہیں ظاہر ہونے دی اور اندر ہی اندر نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالتا رہا اور بالآخر وہ سر وحید سے کٹ کر لکھن سے آملی۔ چونکہ سر وحید نے اسے خزانے کے راز میں شریک کر لیا تھا لہٰذا وہ جلد از جلد اپنی کوششوں کا بہتر انجام دیکھنا چاہتی تھی۔ سر وحید اس کی دانست میں ایک ناکارہ آدمی تھا جس نے خزانے کی تلاش کا بار اس کے کاندھوں پر ڈال دیا تھا۔ لکھن اسے ذہین بھی معلوم ہوا اور کام کرنے والا بھی، اس لئے اس نے اسی کے ہاتھوں سر وحید جیسا کانٹا نکلوا ہی دیا۔ لکھن نے باورچی خانے ہی سے اس پر فائر کیا تھا اور رائفل بھی نصرت ہی کی استعمال کی تھی۔ لکھن نے توقیر کو یہ سب کچھ نہیں بتایا ویسے وہ بظاہر اس سے تعاون ہی کر رہا تھا اور اس نے اس کی نعیم والی اسکیم کو بھی بے حد سراہا تھا۔ توقیر نے سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی مکانوں کے دلال سے حاصل کی تھی اور دلال بھی نعیم کو پھانسنے کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔ ادھر جب لکھن کو معلوم ہوا کہ سعیدہ کا رول ادا کرنے کے لئے وہاں سر وحید کی الٹی تصویر لٹکائی گئی ہے تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے دو دن بعد ہی سر وحید کو ٹھکانے لگا دیا لہٰذا الٹی تصویر اور الٹی موت کا معاملہ بے حد سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس طرح لکھن نے یہ سوچا تھا کہ جلد یا دیر سے توقیر ہی اس کے قتل کے سلسلے میں ماخوذ کر لیا جائے گا۔ یہی ہوتا.... لیکن اس سے پہلے ہی میں نے لکھن سے پوچھ گچھ کر ڈالی، پچھلے واقعات کا حوالہ دے بیٹھا۔ لہٰذا لکھن نے سوچا کہ کہیں توقیر بھانڈا نہ پھوڑ دے.... خزانے کا ایک رازدار سر وحید تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ رہا نصرت تو بھلا وہ کب کسی کو ہوا لگنے دیتا۔ توقیر ہی سے خدشہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا لکھن نے اسی رات کو اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کی موت پر وہ عورت بوکھلا گئی جس نے نعیم والے ڈرامے میں حصہ لیا تھا اور اس طرح وہ ہمارے سامنے خود ہی آگئی، اب لکھن نے سوچا کہ ان دونوں کا قتل کسی طرح نصرت کے سر منڈھ دیا جائے تو میدان بالکل ہی صاف ہو جائے گا۔ پھر تم نے دیکھا ہی ہے کہ میں نے کس طرح اسے اور نصرت کی بیوی کو اس کا موقعہ دیا تھا۔ مگر کتنی چالاک عورت ہے.... تمہیں اس کی وہ چیخ یاد ہے نا.... اور پھر دوسری طرف سے کھڑکی میں آنا.... اس طرح وہ خود ہی ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ

وہاں سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اگر میں اصل معاملے کی طرف آنے میں کچھ دیر لگاتا تو وہ یقینی طور پر کوئی ایسی حرکت کرتی جس کی بناء پر مجھے نصرت پر شبہ کرنا ہی پڑتا۔ ویسے میں تو یہ سوچ کر ہی گیا تھا کہ نصرت کو اسی وقت وہاں سے ہٹانا ہے اور اس کے لئے اس سے بہتر تدبیر دوسری نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اس کے خلاف قتل کا شبہ ظاہر کر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔ پرسوں رات ان کی گرفتاری کے بعد ہی میرے آدمی کھنڈر میں پھیل گئے تھے جنہوں نے دن کو بھی نگرانی کی.... اور کل رات کو مجھے اطلاع ملی کہ کوئی اس کے مکان میں داخل ہوا ہے۔ بس پھر اس کے بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو....!"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سر وحید سر کے بل کھڑے ہونے میں وقت کا اتنا پابند کیوں تھا اکثر وہ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر چھت پر بھاگا چلا جاتا تھا۔ لیکن ٹھیک تین ہی بجے....!"

"خود کو جھکی ثابت کرنے کے لئے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ نہ وہ عورت کہیں بھاگی جاتی تھی اور نہ خزانہ۔ بس وہ چاہتا تھا کہ اس کی یہ جھک گھر کی چہار دیواری سے نکل کر باہر بھی مشہور ہو جائے کیونکہ اگر وہ چوری چھپے اس قسم کی کوئی حرکت کرتا تو طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ دیوار کی مشینی ساخت پرانی ہے۔ سر وحید سالہا سال سے نصرت کے گھر میں جھانکتا آیا تھا۔ غالباً اس لئے کہ شاید اس طرح کبھی خزانے کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ اسی مکان میں کہیں دفن ہے یا نہیں.... ہوس کی کہانی ہے حمید صاحب یہ تینوں کم دولت مند نہیں تھے.... لیکن مفت کا مال اور ہوس....!"

"اب نصرت کا کیا ہو گا۔" حمید نے پوچھا۔

"سزا تو اسے یقینی طور پر ہو گی کیونکہ اس نے غیر قانونی طور پر وہ خزانہ اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ حالانکہ اسے سرکاری تحویل میں دیا جانا چاہئے تھا۔ اشرفیاں محمد تغلق کے دور کی ہیں آج کے زمانے میں لاکھوں کی مالیت.... مگر حالات کی ستم ظریفی تو دیکھو کہ نصرت آج تک اپنی ذات پر آدھی اشرفی بھی نہیں صرف کر سکا۔ بس ایک چوکیدار کی حیثیت سے خطرات کا سامنا کرتا رہا۔ آدمی بھی کتنا عجیب جانور ہے.... جو صرف بچانے کے لئے بچاتا ہے....!"

"مگر نصرت ہے بڑا چالاک! اگر وہ وکیل والا اسٹنٹ نہ بناتا تو یہ لوگ اسے کبھی کا ختم کر چکے

ہوتے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا نعیم اور اس عورت کا کیا ہوگا جس نے ڈاکٹر سعیدہ کا رول ادا کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سرکاری گواہ بنائے جائیں گے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نصرت نے اپنی بیوی کو بتایا ہی کیوں تھا کہ ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کے لئے ایک گاہک مل گیا ہے جب کہ یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ بعد میں اسے اپنی اسی غلطی کی تلافی کے لئے کافی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ نعیم کو اس پر آمادہ کرنا پڑا تھا کہ وہ صرف کرایہ داری کی بات کرے۔"

"اس کا جواب تو نصرت ہی دے سکے گا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی وقت الجھن سے بچنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اس عورت کا ٹائپ دماغ چاٹنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ٹائپ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اپنے مقدر میں تو شائد کسی ٹائپ کی بھی عورت نہیں ہے.... اور ہم زندگی بھر ٹائپ رائٹر ہی بنے رہیں گے۔"

"ٹائپ رائٹر.... کیا بات.... زیادہ بکواس کا نتیجہ مہملیات ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"لنڈورے کو ٹائپ رائٹر ہی کہتے ہیں۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "اکیلا.... اداس ٹائپ رائٹر.... جو مر مریں اور مخروطی انگلیوں کی راہ تکتے تکتے.... بالآخر.... بالآخر.... کچھ بھی نہیں.... ابے او نصیرا.... ایک گلاس ٹھنڈا پانی....!"

فریدی نے جگ سے پانی انڈیل کر اس کی طرف کھسکا دیا۔

ختم شد